فہرست

اس شمارے میں

اس شمارے میں	نعیم احمد	۴

قرآنیات

البیان: ابراہیم ۱۴: ۱-۴ (۱)	جاوید احمد غامدی	۵

معارف نبوی

لیلۃ القدر کا قیام ایمان میں سے ہے	امین احسن اصلاحی	۹
طاق راتوں کی نماز	معز امجد / شاہد رضا	۱۲

دین و دانش

آفات روزہ اور ان کا علاج	امین احسن اصلاحی	۱۵
خلع اور تنسیخ نکاح	خورشید احمد ندیم	۲۱

مقامات

پارلیمنٹ کی بالادستی	جاوید احمد غامدی	۲۴

سیر و سوانح

حضرت سہیل بن بیضا رضی اللہ عنہ	محمد وسیم اختر مفتی	۲۶

مقالات

علوم القران	شبلی نعمانی	۳۳

نقطۂ نظر

بعد از موت (۶)	رضوان اللہ	۴۰

ادبیات

غزل	جاوید احمد غامدی	۴۹

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نعیم احمد

''قرآنیات'' میں حسب روایت جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن ''البیان'' شامل اشاعت ہے۔ یہ قسط سورۂ ابراہیم وحجر کے تعارف اور سورۂ ابراہیم (۱۴) کی آیات ۱-۴ کے ترجمہ اور حواشی پر مشتمل ہے۔ ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کتاب کے اتارنے کا مقصد واضح کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر ایمان وعمل صالح کی روشنی میں لانا ہے۔

''معارف نبوی'' میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے مضمون ''لیلۃ القدر کا قیام ایمان میں سے ہے'' میں لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اسی کے تحت معز امجد صاحب کے مضمون میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رمضان کی آخری طاق راتوں میں تہجد کی باجماعت نماز کے پڑھانے کا ذکر ہے۔ اس پر ترجمہ وتدوین کا کام شاہد رضا صاحب نے کیا ہے۔

''دین ودانش'' میں امام امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنے مضمون ''آفات روزہ اور ان کا علاج'' میں روزے کو خراب کر دینے والی آفتوں اور ان کے علاج کا ذکر کیا ہے۔ اسی کے تحت خورشید احمد ندیم صاحب نے اپنے مضمون میں خلع اور فسخ نکاح کے بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش پر تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔

''مقامات'' میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا مضمون ''پارلیمنٹ کی بالادستی'' شائع کیا گیا ہے۔ یہ مضمون ''اسلام اور ریاست ـــــ ایک جوابی بیانیہ'' پر تنقیدات کے جواب میں لکھا گیا ہے۔

''سیر وسوانح'' کے تحت محمد وسیم اختر مفتی صاحب کے مضمون میں جلیل القدر صحابی حضرت سہیل بن بیضا رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی اور غزوات میں شرکت کا ذکر ہے۔

''مقالات'' میں مولانا شبلی نعمانی صاحب کے مضمون ''علوم القرآن'' میں علوم قرآن کے حوالے سے اہل اسلام کے کام پر نقد پیش کیا گیا ہے۔

''نقطۂ نظر'' کے تحت رضوان اللہ صاحب نے اپنے مضمون ''بعد از موت'' کے چھٹے حصے میں حشر کے دن کے حوالے سے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کے ہاتھوں میں ان کے اعمال نامے پکڑا دیے جائیں گے۔ جن میں بائیں ہاتھ والے ناکام اور دائیں ہاتھ والے کامیاب قرار پائیں گے۔

''ادبیات'' میں جاوید احمد غامدی صاحب کی ایک غزل شائع کی گئی ہے۔

ابراھیم - الحجر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

یہ دونوں سورتیں اپنے مضمون کے لحاظ سے توام ہیں۔ پہلی سورہ میں جس چیز کے لیے قریش کو تنبیہ و تہدید ہے، دوسری میں اُسی کے حوالے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ مطمئن رہو، یہ قرآن بجاے خود ایک واضح حجت ہے، یہ نہیں مانتے تو انھیں اِن کے حال پر چھوڑ دو، وہ وقت اب جلد آنے والا ہے، جب یہ آرزوئیں کریں گے کہ اے کاش، ہم نے یہ رویہ اختیار نہ کیا ہوتا۔

دونوں کا موضوع وہی انذار و بشارت ہے جو پچھلی سورتوں سے چلا آ رہا ہے۔ اتنا فرق، البتہ ہوا ہے کہ نتائج کا بیان زیادہ صریح ہو گیا ہے اور فہمایش تنبیہ، ملامت اور زجر و توبیخ میں تبدیل ہو گئی ہے۔

دونوں سورتوں میں خطاب اصلاً قریش ہی سے ہے اور اِن کے مضمون سے واضح ہے کہ ام القریٰ مکہ میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مرحلۂ اتمام حجت میں نازل ہوئی ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ ابراھیم

(۱)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ﴿۱﴾ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

یہ سورۂ 'الٓرٰ' ہے[۱]۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے تمھاری طرف اتاری ہے، اِس لیے کہ تم لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آؤ[۲]، اُن کے پروردگار کے اذن سے[۳]، اُس خدا کے راستے کی طرف جو زبردست ہے، اپنی ذات میں آپ محمود ہے[۴]۔ وہی اللہ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اُسی کا

۱؎ اِس نام کے معنی کیا ہیں؟ اِس کے متعلق ہم نے اپنا نقطۂ نظر سورۂ بقرہ (۲) کی آیت ۱ کے تحت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

۲؎ اصل میں 'ظُلُمٰت' اور 'نُوْر' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن میں 'نُوْر' واحد اور 'ظُلُمٰت' جمع ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ گمراہی ہزار راستوں سے آتی ہے، مگر ہدایت کا راستہ ایک ہی ہے جسے قرآن صراط مستقیم سے تعبیر کرتا ہے۔

۳؎ یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ ہدایت کی توفیق خدا کے اذن سے ملتی ہے اور یہ اذن اُنھی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو

وَوَيۡلٌ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِيۡدِۙ ﴿۲﴾ الَّذِيۡنَ يَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا
عَلَى الۡاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا اُولٰٓئِكَ فِىۡ ضَلٰلٍۢ
بَعِيۡدٍ ﴿۳﴾ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ
يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۴﴾

ہے۔(سو) اُن کے لیے جو (اِس کتاب کے) منکر ہیں، ایک عذاب شدید کی تباہی ہے۔ (اُن کے لیے) جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور خدا کے راستے سے روکتے ہیں اور اُس میں ٹیڑھ پیدا کرنا چاہتے ہیں[۵]۔ یہ لوگ بہت دور کی گمراہی میں ہیں۔ (اِن کے لیے یہ کتاب اِن کی زبان میں اتاری گئی ہے) اور (ہمارا طریقہ یہی ہے کہ) ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے، اُس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے، اِس لیے کہ وہ اُنھیں اچھی طرح کھول کر سمجھا دے۔ پھر اللہ جس کو چاہتا ہے، (اپنے قانون کے مطابق[۶]) گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔ وہ زبردست ہے، بڑی حکمت والا ہے۔ ۱-۴

اپنے آپ کو اِس کا اہل ثابت کر دیتے ہیں۔

۴؎ چنانچہ وہی سزاوار ہے کہ اُس سے ڈرا جائے اور وہی حق دار ہے کہ اُس کی حمد کی جائے اور اُس سے امیدیں باندھی جائیں۔

۵؎ یعنی اُس کو خدا کے بجاے اپنے ٹھیراے ہوئے معبودوں کی طرف موڑ دینا چاہتے ہیں۔

۶؎ یعنی اپنے اِس قانون کے مطابق کہ جو ہدایت کے مستحق ہیں، اُنھیں ہدایت دی جائے اور جو گمراہی چاہتے ہیں، اُنھیں اُسی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

[باقی]

امین احسن اصلاحی
ترتیب وتدوین: خالد مسعود-سعید احمد-سید اسحاق علی

لیلۃ القدر کا قیام ایمان میں سے ہے

(قِیَامُ لَیْلَةِ الْقَدْرِ مِنَ الْإِیْمَانِ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حَدَّثَنَا أَبُو الْیَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ یَّقُمْ لَیْلَةَ الْقَدْرِ، إِیْمَانًا وَ إِحْتِسَابًا، غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان اور احتساب کے ساتھ قیام کرے گا تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔''

وضاحت

اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک چھوٹے عمل کے بدلے میں بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے اور یہ چیز ان اسباب میں سے ہے جن کی بنا پر کوئی روایت مشتبہ ہو جاتی ہے، لیکن میرے نزدیک اس روایت کو مشتبہ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ اس میں ایمان اور احتساب کی صراحت بھی موجود ہے۔ ان دو لفظوں کے اندر پوری کائنات بند ہے۔ ایمان کے یہ معنی ہیں کہ یہ قیام صرف اللہ اور اس کی رضا کے لیے ہو، اس کا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔

ریا کاری کا شائبہ نہ ہو، بلکہ خالصتاً مخلصاً اللہ کے لیے ہو۔ احتساب کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اس رات میں پوری زندگی کا احتساب کریں کہ کس کس طریقہ سے گزاری ہے، کیا غلطیاں اور جرائم کیے ہیں، حقوق العباد اور حقوق اللہ میں سے کیا ادا ہوئے اور کیا باقی ہیں۔ ماضی میں غلطیاں ہوئی ہوں تو ان کے متعلق قرآن کی ہدایت کے مطابق توبہ کریں، استغفار کریں اور ساتھ ہی اصلاح کریں۔ اللہ سے معافی مانگیں اور اس کو راضی کریں۔ جب آپ اس طریقہ سے لیلۃ القدر میں قیام کریں گے تو روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ آپ کے سابقہ گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ دوسری روایت میں ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھنے کا بھی یہی اجر بیان ہوا ہے۔ ایک آدمی اپنی زندگی بطالت میں گزار دیتا ہے، لیکن کسی وقت اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو ارادہ کرتا ہے کہ اے رب، آیندہ میں تیری مرضی کے مطابق زندگی بسر کروں گا۔ اور اس کا اہتمام یوں کرتا ہے کہ اپنے اقوال، اعمال اور تمام چیزوں کا احتساب کرتا رہتا ہے تو امید ہے کہ قرآن مجید میں توبہ کا جو قانون بیان ہوا ہے، اس کے مطابق اس کو معاف کر دیا جائے گا۔

جہاں تک لیلۃ القدر کی اہمیت کا تعلق ہے، اس کو یوں سمجھیے کہ خاص خاص چیزوں کے لیے خاص وقت بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ جس طرح سے دنیا کے کاروبار میں وقت اور موسم کا لحاظ ہے، مثلاً گندم کی تخم ریزی خاص ایام ہی میں مفید ہوتی ہے، اسی طرح سے روحانیت میں بھی اوقات کا لحاظ ہے۔ عرفہ کے دن کی خاص اہمیت ہے۔ تہجد کے وقت کی خاص قدر و قیمت ہے۔ نمازوں کے اوقات کے تعین میں بھی خاص رمز ہے۔ اسی طریقے سے شب قدر بھی کائنات میں اہم مقام رکھتی ہے۔ اس رات میں عالم لاہوت سے عالم ناسوت کے لیے تمام فیصلے سماء دنیا پر نازل ہو جاتے ہیں اور ہر محکمے کو احکام مل جاتے ہیں، اس وجہ سے اس کے اندر برکت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس رات کے ملنے سے گویا تخم ریزی کا صحیح موسم آپ کو مل جاتا ہے اور یہ ایمان و احتساب کے ساتھ کی جانی چاہیے۔ جس طرح آپ موسم کا فائدہ نہ اٹھائیں تو فصل نہیں ملے گی، اسی طرح ایمان و احتساب کے بغیر آدمی شب قدر کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

'غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنُ ذَنُبِهِ' کی خبر کو بعض لوگ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کے گناہوں تک محدود مانتے ہیں۔ میرے نزدیک اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب بھی آپ نے ایمان و احتساب کا فیصلہ کر لیا اور آپ اس میں مخلص ہیں تو پچھلی ساری زندگی کا حساب بے باق ہو جائے گا۔

'لَيُلَةَ الُقَدُرِ' کے وقوع کے متعلق اتنے اختلافات ہیں کہ اس رات کو معین کرنا ممکن نہیں ہے۔ شارحین حدیث بھی ان اختلافات سے گھبرا جاتے ہیں۔ اس کے متعلق جو بات میں قطعی طور پر کہہ سکتا ہوں، وہ صرف اتنی ہے کہ قرآن مجید

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کا نزول لیلۃ القدر میں ہوا جو رمضان میں تھی۔ یہ خبر قرآن میں ہے اور قطعی ہے۔ رمضان کے آخری عشرے میں بالعموم اور ۲۷ رمضان کو بالخصوص اس رات کا حق ادا کریں تو ان شاء اللہ مفید ہوگا۔ اس سے زیادہ میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

(تدبر حدیث، شرح صحیح بخاری ۸۹/۱)

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

”...بہت سے لوگ جب روزے میں کھانے پینے اور اِس طرح کی دوسری دل چسپیوں کو چھوڑتے ہیں تو اپنی اِس محرومی کا مداوا اُن دل چسپیوں میں ڈھونڈنے لگتے ہیں جن سے اُن کے خیال میں روزے کو کچھ نہیں ہوتا، بلکہ وہ بہل جاتا ہے۔ وہ روزہ رکھ کر تاش کھیلیں گے، ناول اور افسانے پڑھیں گے، نغمے اور غزلیں سنیں گے، فلمیں دیکھیں گے، دوستوں میں بیٹھ کر گپ ہانکیں گے اور اگر یہ سب نہ کریں گے تو کسی کی غیبت اور ہجو ہی میں لپٹ جائیں گے۔ روزے میں پیٹ خالی ہو تو آدمی کو اپنے بھائیوں کا گوشت کھانے میں ویسے بھی بڑی لذت ملتی ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات صبح اِس مشغلے میں پڑتے ہیں اور پھر موذن کی اذان کے ساتھ ہی اِس سے ہاتھ کھینچتے ہیں۔“ (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۶۲)

معز امجد
ترجمہ وتدوین: شاہد رضا

طاق راتوں کی نماز

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عَنُ أَبِی ذَرٍّ قَالَ: صُمُنَا مَعَ رَسُوُلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيُهِ وَسَلَّمَ رَمَضَانَ، فَلَمُ يَقُمُ بِنَا شَيُئًا مِنَ الشَّهُرِ حَتّٰی بَقِیَ سَبُعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰی ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيُلِ، فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمُ يَقُمُ بِنَا، فَلَمَّا كَانَتِ الُخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰی ذَهَبَ شَطُرُ اللَّيُلِ، فَقُلُتُ: يَارَسُوُلَ اللّٰهِ، لَوُ نَفَّلُتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيُلَةِ، قَالَ: فَقَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا صَلّٰی مَعَ الُإِمَامِ حَتّٰی يَنُصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ لَيُلَةٍ، قَالَ: فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمُ يَقُمُ، فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ أَهُلَهُ وَنِسَاءَهُ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتّٰی خَشِيُنَا أَنُ يَّفُوُتَنَا الُفَلَاحُ، قَالَ: قُلُتُ: مَا الُفَلَاحُ؟ قَالَ: السُّحُوُرُ، ثُمَّ لَمُ يَقُمُ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهُرِ.

حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ماہ رمضان میں روزے رکھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سارا مہینا ہمارے ساتھ کوئی قیام نہیں فرمایا، یہاں تک کہ جب سات دن رہ گئے، (یعنی تیئیسویں رات ہوئی) تو آپ (صلی اللہ

علیہ وسلم) نے ہمیں رات کے تیسرے حصے تک نماز پڑھائی۔ جب چھ دن رہ گئے، (یعنی چوبیسویں رات ہوئی) تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کوئی نماز نہیں پڑھائی۔ جب پانچ دن رہ گئے، (یعنی پچیسویں رات ہوئی)تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں آدھی رات تک نماز پڑھائی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ، میری خواہش تھی کہ آپ اس رات کا قیام ہمارے لیے پورا کرتے، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: بے شک، اگر کوئی شخص امام کے ساتھ اس کے نماز پڑھنے تک نماز پڑھتا ہے تو اس کے لیے پوری رات کے قیام کا اجر لکھا جاتا ہے۔ پھر جب چار دن رہ گئے، (یعنی چھبیسویں رات ہوئی)تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کوئی نماز نہیں پڑھائی۔ پھر جب تین دن رہ گئے، (یعنی ستائیسویں رات ہوئی) تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے خاندان والوں، اپنی ازواج مطہرات اور دیگر لوگوں کو اکٹھا کیا اور ہمیں نماز پڑھائی، یہاں تک کہ ہمیں یہ خوف ہونے لگا کہ ہم الفلاح حاصل نہ کر سکیں گے ـــــ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: الفلاح کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: سحری کا کھانا ـــــ اور اس کے بعد آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مہینے کے باقی دن ہمیں رات میں اور کوئی نماز نہیں پڑھائی[۱]۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حاشیہ کی وضاحت

۱۔ اس روایت اور اس طرح کی دیگر روایات سے بالبداہت واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان میں باجماعت نماز تہجد باقاعدہ عمل کے طور پر ادا نہیں فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کی راتوں میں یہ نماز صرف تین یا چار مرتبہ ادا فرمائی ہے۔

متون

بعض اختلافات کے ساتھ یہ روایت ابوداؤد، رقم ۱۳۷۵؛ ترمذی، رقم ۸۰۶؛ ابن ماجہ، رقم ۱۳۲۷؛ نسائی، رقم ۱۳۶۴؛ ابن حبان، رقم ۲۵۴۷؛ عبدالرزاق، رقم ۷۷۰۶ اور ابن ابی شیبہ، رقم ۷۶۹۵ میں روایت کی گئی ہے۔

ابن ابی شیبہ، رقم ۷۶۹۵ میں حضرت ابوذر کا سوال 'لو نفلتنا قیام هذه الليلة' (میری خواہش تھی کہ آپ اس رات کا قیام ہمارے لیے پورا کرتے) کے الفاظ کے بجائے 'لو قمت بنا بقية ليلتنا هذه' (میری خواہش تھی کہ آپ ہماری اس بقیہ رات کا قیام ہمارے ساتھ پورا کرتے) کے الفاظ میں روایت کیا گیا ہے۔

نسائی، رقم ۱۶۰۵ میں 'إن الرجل إذا صلى مع الإمام حتى ينصرف' (بے شک، اگر کوئی شخص امام کے ساتھ اس کے نماز پڑھنے تک نماز پڑھتا ہے) کے الفاظ کے بجائے 'إنه من قام مع الإمام حتى ينصرف' (بے شک، جو شخص امام کے ساتھ اس کے نماز پڑھنے تک نماز پڑھتا ہے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں۔

نسائی، رقم ۱۶۰۵ میں 'حسب له قيام ليلة' (اس کے لیے پوری رات کے قیام کا اجر لکھا جاتا ہے) کے الفاظ کے بجائے 'كتب الله له قيام ليلة' (اللہ اس کے لیے پوری رات کے قیام کا اجر لکھ دیتا ہے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ابن حبان، رقم ۲۵۴۷ میں ان الفاظ کے بجائے 'كتب له قيام ليلة' (اس کے لیے پوری رات کے قیام کا اجر لکھا جاتا ہے) کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں؛ ابن ماجہ، رقم ۱۳۲۷ میں یہ الفاظ 'فإنه يعدل قيام ليلة' (تو یہ پوری رات کے قیام کے برابر ہے) روایت کیے گئے ہیں؛ جبکہ عبدالرزاق، رقم ۷۷۰۶ میں یہ الفاظ 'حسبت له بقية ليلته' (اس کے لیے اس کی بقیہ رات کے قیام کا اجر بھی لکھا جاتا ہے) روایت کیے گئے ہیں۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

''...لوگ رمضان کو لذتوں اور چٹخاروں کا مہینا بنا لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اِس مہینے میں جو خرچ بھی کیا جائے، اُس کا اللہ کے ہاں کوئی حساب نہیں ہے۔ چنانچہ اِس طرح کے لوگ اگر کچھ کھاتے پیتے بھی ہوں تو اُن کے لیے یہ پھر مزے اڑانے اور بہار لوٹنے کا مہینا ہے۔ وہ اِس کو نفس کی تربیت کے بجائے اُس کی پرورش کا مہینا بنا لیتے ہیں اور ہر روز افطار کی تیاریوں ہی میں صبح کو شام کرتے ہیں۔'' (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۶۱)

امین احسن اصلاحی

آفات روزہ اور ان کا علاج

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

روزے کی برکات میں سے یہ چند برکات ہم نے بیان کی ہیں، لیکن یہ برکتیں اس صورت میں ظاہر ہوتی ہیں جب آدمی اپنے روزے کو ان تمام آفتوں سے محفوظ رکھ سکے جو روزے کو خراب کر دینے والی ہیں۔ یہ آفتیں چھوٹی اور بڑی بہت سی ہیں۔ ہم تزکیۂ نفس کے طالبوں کی واقفیت کے لیے یہاں چند بڑی آفتوں کا ذکر کریں گے اور ساتھ ہی ان کے وہ علاج بھی بتائیں گے جو قرآن اور حدیث میں بیان ہوئے ہیں تاکہ جو لوگ اپنے روزوں کی حفاظت کرنا چاہیں، ان سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔

لذتوں اور چٹخاروں کا شوق

روزے کی عبادت، جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا ہے، اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ آدمی اپنی خواہشوں پر قابو پا سکے۔ یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب آدمی اس مقصد کو روزوں میں ملحوظ رکھے اور ان رغبتوں کو حتی الامکان دبائے جن کے آگے اپنی روزمرہ زندگی میں وہ اکثر بے بس ہو جایا کرتا ہے اور یہ بے بسی اس کو بہت سی اخلاقی اور شرعی کمزوریوں میں مبتلا کر دیتی ہے، لیکن بہت سے لوگ اس مقصد کو بالکل ملحوظ نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک روزے کا مہینا خاص کھانے پینے کا مہینا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ اس مہینے میں کھانے پینے پر جتنا بھی خرچ کیا جائے، خدا کے ہاں اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا۔ اس خیال کے لوگ اگر ـــــ خوش قسمتی سے ـــــ کچھ

خوش حال بھی ہوتے ہیں تو پھر تو فی الواقع ان کے لیے روزوں کا مہینا کام و دہن کی لذتوں سے متمتع ہونے کا موسم بہار ہی بن کے آتا ہے۔ وہ روزے کی پیدا کی ہوئی بھوک اور پیاس کو نفس کشی کے بجائے نفس پروری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ وہ صبح سے لے کر شام تک طرح طرح کے پکوانوں کے پروگرام بنانے اور ان کے تیار کرانے میں اپنے وقت صرف کرتے ہیں اور افطار سے لے کر سحر تک اپنی زبان اور اپنے پیٹ کی تواضع میں اپنا وقت گزارتے ہیں۔ میں ایک ایسے بزرگ سے واقف ہوں جو ایک دین دار آدمی تھے، لیکن ان کا نظریہ یہ تھا کہ رمضان کا مہینا کھانے پینے کا خاص مہینا ہے۔ چنانچہ اس نظریہ کے تحت وہ رمضان کے مہینے کے لیے کھانے پینے کی مختلف چیزوں کا اہتمام بہت پہلے سے شروع کر دیتے تاکہ رمضان میں ان کی تنوعات سے متمتع ہو سکیں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ روزہ کھانے پینے کے شوق کو اکسا دیتا ہے۔ لیکن روزے کا مقصود اسی اکساہٹ کو دبانا ہے نہ کہ اس کی پرورش کرنا، اس وجہ سے صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی قوت کار کو باقی رکھنے کے لیے کھائے پیے تو ضرور، لیکن ہرگز ہرگز کھانے پینے کو اپنی زندگی کا موضوع نہ بنا لے۔ جو کچھ بغیر کسی خاص سرگرمی اور بغیر کسی خاص اہتمام کے میسر آ جائے، اس کو صبر و شکر کے ساتھ کھا لے۔ اگر کوئی چیز پسند کے خلاف سامنے آئے تو اس پر بھی گھر والوں پر غصہ کا اظہار نہ کرے۔ اگر کسی کو خدا نے فراغت و خوش حالی دی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ خود اپنے کھانے پینے پر اسراف کرنے کے بجائے غریب اور مسکین روزہ داروں کی مدد اور ان کو کھلانے پلانے پر خرچ کرے۔ اس چیز سے اس کے روزے کی روحانیت اور برکت میں بڑا اضافہ ہو گا۔ رمضان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی کا جو حال ہوتا تھا، اس کے متعلق ایک حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ روزہ افطار کرانے کے ثواب سے متعلق ایک حدیث ملاحظہ ہو:

حضرت زید بن خالد جہنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

من فطّر صائمًا كان له مثل أجره غير أنّه لاينقص من أجر الصائم شيئًا. (ترمذی، رقم ۸۰۷)	''جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا، اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہے۔ اور اس سے روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی واقع نہیں ہو گی۔''

اشتعال طبیعت

آدمی جب بھوکا پیاسا ہو تو قاعدہ ہے کہ اس کا غصہ بڑھ جایا کرتا ہے۔ جہاں کوئی بات ذرا بھی اس کے مزاج کے خلاف ہوئی فوراً اس کو غصہ آ جاتا ہے۔ روزے کے مقاصد میں سے یہ چیز بھی ہے کہ جن کی طبیعتوں میں غصہ زیادہ ہو، وہ روزے کے ذریعے سے اپنی طبیعتوں کی اصلاح کریں۔ لیکن یہ اصلاح اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب آدمی روزے

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

کو اپنی طبیعت کی اس خرابی کی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔ اگر وہ اس کو اپنی طبیعت کی اصلاح کا ذریعہ نہ بنائے تو اس بات کا بڑا اندیشہ ہے کہ روزہ اس پہلو سے اس کے لیے مفید ہونے کے بجائے الٹا مضر ہو جائے، یعنی اس کی طبیعت کا اشتعال کچھ اور زیادہ ترقی کر جائے۔ جو شخص اس کو اپنی اصلاح کا ذریعہ بنانا چاہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ جب اس کی طبیعت میں اشتعال پیدا ہو یا کوئی دوسرا اس کے اندر اس اشتعال کو پیدا کرنے کی کوشش کرے تو وہ فوراً اس بات کو یاد کرے کہ 'أَنَا صَائِمٌ' میں روزے سے ہوں اور یہ چیز روزے کے مقصد کے بالکل منافی ہے۔ یہ طریقہ اختیار کرنے سے آدمی کو غصہ پر قابو پانے کی تربیت ملتی ہے اور آہستہ آہستہ یہ تربیت اس کے مزاج کو بالکل بدل دیتی ہے، یہاں تک کہ اس کو اپنے غصہ پر اس حد تک قابو حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کو وہ وہیں استعمال کرتا ہے جہاں وہ اس کو استعمال کرنا چاہتا ہے۔

لیکن بہت سے لوگ اسلام کے بتائے ہوئے اس اصول کے بالکل خلاف روزے کو سپر کے بجائے تلوار کے طور پر استعمال کرنے کے عادی بن جاتے ہیں، یعنی روزہ ان کے لیے ضبط نفس کے بجائے اشتعال نفس کا بہانہ بن جایا کرتا ہے۔ وہ بیوی پر، بچوں پر، نوکروں پر اور ماتحتوں پر ذرا ذرا سی بات پر برس پڑتے ہیں، صلواتیں سناتے ہیں، گالیاں بکتے ہیں اور بعض حالات میں مار پیٹ سے بھی دریغ نہیں کرتے اور پھر اپنے آپ کو اس خیال سے تسلی دے لیتے ہیں کہ کیا کریں، روزے میں ایسا ہو ہی جایا کرتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جو لوگ اپنے نفس کو اس راہ پر ڈال دیتے ہیں، ان کے لیے روزہ اصلاح نفس کا ذریعہ بننے کے بجائے ان کے بگڑے ہوئے نفس کو بگاڑنے کا مزید سبب بن جایا کرتا ہے۔ جو روزہ بھی وہ رکھتے ہیں، وہ ان کے نفس مشتعل کے لیے چابک کا کام دیتا ہے جس سے ان کا نفس تیز سے تیز تر ہوتا جاتا ہے۔ جو شخص روزے کی برکتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ روزے کو اپنے نفس کے لیے ایک لگام کے طور پر استعمال کرے اور ہر اشتعال دلانے والی بات کو اسی سپر پر روکے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ تجربہ گواہی دیتا ہے کہ اگر روزے کے احترام کا یہ احساس طبیعت پر غالب رہے تو آدمی بڑی سے بڑی ناگوار بات بھی برداشت کر جاتا ہے اور اس پر کوئی احساس کم تری طاری نہیں ہوتا، بلکہ اس طرح کی آزمایش کے جتنے مواقع اس کے سامنے آتے ہیں، وہ ہر موقع پر یہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے شیطان پر ایک فتح حاصل کی ہے اور اس فتح کا احساس اس کے غصہ کو ایک راحت و اطمینان کی شکل میں تبدیل کر دیتا ہے۔

دل بہلانے والی چیزوں کی رغبت

روزے کی ایک عام آفت یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ، جن کے ذہن کی تربیت نہیں ہوئی ہوتی ہے، کھانے پینے

اور زندگی کی بعض دوسری دل چسپیوں سے علیحدگی کو ایک محرومی سمجھتے ہیں اور اس محرومی کے سبب سے ان کے لیے دن کاٹنے مشکل ہو جاتے ہیں۔ اس مشکل کا حل وہ یہ پیدا کرتے ہیں کہ بعض ایسی دل چسپیاں تلاش کر لیتے ہیں جو ان کے خیال میں روزے کے مقصد کے منافی نہیں ہوتیں۔ مثلاً یہ کہ تاش کھیلتے ہیں، ناول، ڈرامے اور افسانے پڑھتے ہیں، ریڈیو پر گانے سنتے ہیں، دوستوں میں بیٹھ کر گپیں ہانکتے ہیں اور بعض من چلے سینما کا ایک آدھ شو دیکھ آنے میں بھی کوئی قباحت نہیں خیال کرتے۔

ان سے زیادہ سہل الحصول دل چسپی بعض لوگ یہ پیدا کر لیتے ہیں کہ اگر ایک دو ساتھی میسر آ جائیں تو کسی کی غیبت میں لپٹ جاتے ہیں۔ روزے کی بھوک میں آدمی کا گوشت بڑا لذیذ معلوم ہوتا ہے اور تجربہ گواہی دیتا ہے کہ اگر روزہ رکھ کے آدمی کو یہ لذیذ مشغلہ مل جائے تو آدمی جھوٹ، غیبت، ہجو اور اس قسم کی دوسری آفتوں کا جن کو حدیث میں 'حصائد اللسان'* سے تعبیر کیا گیا ہے، ایک انبار لگا دیتا ہے اور اسی مشغلہ میں صبح سے شام کر دیتا ہے۔ یہ چیزیں آدمی کے روزے کو بالکل برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔

اس کا ایک علاج تو یہ ہے کہ آدمی خاموشی کو روزے کے ضروری آداب میں سے سمجھے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ پچھلے مذاہب میں چپ رہنا بھی روزے کے شرائط میں داخل تھا۔ چنانچہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام روزہ کی حالت میں صرف اشارہ سے بات کرتی تھیں۔ اسلام نے روزہ داروں پر یہ پابندی تو عائد نہیں کی ہے، لیکن اس پابندی کے نہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آدمی روزے میں اپنی زبان کو چھوٹ دے دے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی ضروری اور مفید بات کرنے کا موقع پیش آ جائے تو کر لے، ورنہ خاموش رہے۔ جو شخص ہر قسم کی اناپ شناپ اور جھوٹی سچی باتیں زبان سے نکالتا رہتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ پھر اس کا محض کھانا پینا چھوڑ دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک بالکل بے نتیجہ کام ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة فى أن يدع طعامه و شرابه. (بخاری، رقم ۱۸۰۴)

''جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ آدمی کا جو وقت گھر کے کام کاج اور معاش کی مصروفیتوں سے فاضل بچے اس کو مفید چیزوں کے مطالعہ میں صرف کرے۔ روزے کے دنوں کے لیے قرآن شریف، حدیث شریف، سیرت نبوی، سیرت صحابہ

* ترمذی، رقم ۲۶۱۶۔

اور تزکیۂ نفس کی کتابوں کے مطالعہ کا ایک باقاعدہ پروگرام بنالے۔ خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید کے تدبر پر پابندی کے ساتھ کچھ نہ کچھ وقت ضرور صرف کرے۔ قرآن مجید کو روزے کی عبادت کے ساتھ، جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، ایک خاص مناسبت ہے۔ اس مناسبت کے سبب سے روزہ دار پر قرآن مجید کی خاص برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ہر روزہ دار کو ان برکتوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

قرآن مجید اور ماثور دعاؤں کے یاد کرنے کے لیے بھی آدمی کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکالے۔ اس طرح قرآن مجید اور مسنون دعاؤں کا آدمی کے پاس آہستہ آہستہ ایک ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے، جو آدمی کے جمع کیے ہوئے مال واسباب کے ذخیروں سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

ریا

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ریا کا فتنہ جس طرح تمام عباتوں کے ساتھ لگا ہوا ہے، اسی طرح روزے کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ بہت سے لوگ روزے تو رکھتے ہیں، بالخصوص رمضان کے روزے، لیکن ہو سکتا ہے کہ ان میں بہت کچھ دخل اس احساس کو بھی ہو کہ روزے نہ رکھے تو پاس پڑوس کے روزہ داروں میں نکو بننا پڑے گا یا لوگوں میں جو دین داری کا بھرم ہے، وہ جاتا رہے گا یا اپنے گھر اور خاندان والے ہی برا مانیں گے۔ اس طرح کے مختلف احساسات ہیں جو رمضان کے روزوں میں شریک بن جاتے ہیں اور اس طرح وہ خلوص نیت آلودہ اور مشتبہ ہو جایا کرتا ہے جو روزے کی حقیقی برکتوں کے ظہور کے لیے ضروری ہے، اس لیے کہ جس بندے میں خدا کی خوش نودی کے سوا کوئی اور محرک شریک ہو جائے، یہ روزہ وہ روزہ نہیں ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ:

يترك طعامه و شرابه و شهوته من أجلى. الصيام لى و أنا أجزى به.

''بندہ میرے لیے اپنا کھانا پینا اور اپنی شہوت چھوڑتا ہے۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا۔'' (بخاری، رقم ۱۷۹۵)

بلکہ یہ روزہ اسی غرض کے لیے ہو جائے گا جس غرض کے لیے رکھا گیا ہے۔

اس آفت کا اول علاج تو یہ ہے کہ آدمی اپنی نیت کو ہر دوسرے شائبہ سے حتی الامکان پاک کرنے کی کوشش کرے۔ اسے ہر روز سوچنا چاہیے کہ اپنے روزے کو تمام برکتوں سے محروم کر کے فاقہ کے درجہ میں ڈال دینا انتہائی نادانی ہے، آخر یہ مشقت اٹھانے کا حاصل کیا ہوا، جبکہ یہ دنیا میں بھی موجب کلفت اور آخرت میں بھی موجب وبال

بنے؟اس طرح نفس کے سامنے بار بار روزہ کی قدر و قیمت واضح کرنی چاہیے تاکہ اس کی نگاہ دوسروں کی طرف سے ہٹ کر خدا کی طرف متوجہ ہو۔

اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ آدمی رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی رکھے اور اس میں دو باتوں کا اہتمام کرے: ایک حتی الامکان اخفا کا، یعنی ان کا اشتہار دینے کی کوشش نہ کرے۔ دوسری اعتدال یا میانہ روی کا، یعنی نفلی روزے اسی حد تک رکھے جس حد تک خواہشات وشہوات کو حالت اعتدال پر لانے کے لیے ان کی ضرورت ہو۔ اگر اس حد سے آدمی بڑھ جائے گا تو وہ چیز خود بھی ایک فتنہ ہے اور اسلام نے اس سے بھی بڑی شدت کے ساتھ روکا ہے۔ روزے کی حیثیت ایک دوا کی ہے۔ دوا اگر ضرورت سے زیادہ استعمال کر لی جائے تو بسا اوقات یہ خود بھی ایک بیماری بن جاتی ہے۔

(تزکیۂ نفس ۲۴۸-۲۵۳)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

”...آدمی روزے کی حالت میں اپنے اوپر کچھ مزید پابندیاں عائد کر کے اور دوسروں سے الگ تھلگ ہو کر چند دنوں کے لیے مسجد میں بیٹھ جائے اور زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کرے۔ اصطلاح میں اِسے اعتکاف کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ رمضان کے روزوں کی طرح لازم تو نہیں کیا گیا، لیکن تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے اِس کی بڑی اہمیت ہے۔“

(میزان، جاوید احمد غامدی ۳۵۴)

خورشید احمد ندیم

خلع اور تنسیخ نکاح

خلع اور فسخ نکاح کے باب میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش یہ ہے کہ عدالتیں دونوں میں فرق کریں۔ خلع شوہر کی رضا مندی ہی سے ہوسکتا ہے۔ عدالت، البتہ شکایت یا تنازعے کی صورت میں نکاح منسوخ کرسکتی ہے۔ یہ سفارش ان دنوں زیر بحث ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس بحث کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

ہمارے ہاں نظریاتی کونسل کی تشکیل مسلکی عصبیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ اس کی وجہ سیاسی ہے۔ چونکہ سماج کی مذہبی ساخت مسلکی ہے، اس لیے انھی علما کو معاشرتی پذیرائی حاصل ہوتی ہے جو کسی خاص مسلک سے وابستہ ہیں۔ ایک طرف محراب ومنبر ان کے ہاتھ میں ہیں اور دوسری طرف انھوں نے اپنی سیاسی جماعتیں بھی بنا رکھی ہیں۔ یوں اہل اقتدار ان کی خوش نودی کے لیے ایسے علما کو کونسل میں شامل کرتے ہیں جو کسی مسلکی عصبیت کے حامل ہوں۔ جب انتخاب اس معیار پر ہو تو پھر کسی فرد کا علم وفضل بے معنی ہو جاتا ہے، اگر وہ مسلکی عصبیت نہیں رکھتا۔ اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کونسل کی رائے روایتی علما کے فہم دین کے تابع ہو جاتی ہے۔ اس فہم دین کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فقہ اور شریعت کو مترادف سمجھا جاتا ہے۔ یوں ہر فیصلے میں قدیم فقہی آرا کو ماخذ دین کے طور پر قبول کیا جاتا ہے اور ان سے انحراف جرم سمجھا جاتا ہے۔ اسی سوچ کے تحت ائمۂ اربعہ پر اتفاق کو اجماع امت قرار دیا گیا ہے۔

ہمارا جدید طبقہ اس تفہیم دین سے اختلاف کرتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ تعبیر ایک خاص دور کے سیاسی و سماجی حالات کے تابع ہے۔ اس کے تحت اگر اس وقت سیاسی معاملات میں کوئی موقف اختیار کیا گیا ہے تو مسلمانوں کو ایک حاکم قوت تصور کرتے ہوئے۔ جیسے دارالحرب اور دارالاسلام کی تعبیر ہے۔ اسی طرح سماجی حوالے سے وہ ایک

پدرسرانہ سماج تھا۔ مرد کی برتری ایک مستحکم سماجی قدر تھی۔ اس لیے معاشرتی معاملات میں بھی جو آرا قائم کی گئیں، ان میں مرد کی بالادست حیثیت ہی کو پیش نظر رکھا گیا۔ یہ طبقہ خیال کرتا ہے کہ آج کا سیاسی و سماجی تناظر یک سر تبدیل ہو چکا۔ آج دنیا دارالحرب اور دارالاسلام میں منقسم نہیں ہے۔ آج کی قومی ریاستیں مذہب کی بنیاد پر تشکیل نہیں پاتیں۔ اسی طرح معاشرت بھی مخلوط ہو چکی۔ جن ممالک کو ہم غیر مسلم کہتے ہیں، ان کے شہریوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہے۔ ان حالات میں وہ آرا اب قابل عمل نہیں رہیں جو فقہا نے دنیا کو دو حصوں میں منقسم کرتے ہوئے قائم کیں۔ اسی طرح، آج کا معاشرہ پدرسرانہ نہیں رہا۔ خاتون معاشی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مرد کے ساتھ شریک ہے۔ اسے اعلیٰ تعلیم تک رسائی حاصل ہے اور یوں اس کی قوت فیصلہ ماضی کے مقابلے میں کہیں زیادہ مستحکم اور قابل بھروسا ہے۔ اس طرح وہ اسباب ختم ہو چکے جو مرد کی بالادستی کی بنیاد تھے۔ لہٰذا اب دین کی وہ تعبیر قابل عمل نہیں ہو سکتی جو کسی پدرسرانہ سماج میں اختیار کی گئی ہے۔

اگر اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل میں ان دونوں نقطہ ہاے نظر کا امتزاج پیش نظر رکھا جاتا تو میرا خیال ہے کہ اعتراض کے امکانات کم ہو جاتے۔ اسی طرح کونسل کی آرا بھی زیادہ متوازن ہو جاتیں۔ مشرف دور میں کسی حد تک یہ توازن قائم کرنے کی کوشش ہوئی۔ میرا احساس ہے کہ اس وقت کونسل کی جو سفارشات سامنے آئیں، ان میں قیل و قال کی گنجایش کم تھی۔ اختلاف کا امکان ظاہر ہے کہ ہمیشہ رہتا ہے، لیکن پھر اس کی نوعیت علمی ہوتی ہے اور اس کا خیر مقدم کیا جانا چاہیے۔ یہ سماج کے علمی ارتقا کا اظہار ہے۔ کونسل کی موجودہ تشکیل سماجی تقسیم کو تقویت پہنچا رہی ہے۔ ایک طبقہ خیال کرتا ہے کہ اس کو نمایندگی سے محروم رکھا گیا ہے۔ اس طرح اعتراض کی نوعیت علمی نہیں رہتی اور بحث کسی اور طرف نکل جاتی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

میرے نزدیک روایت سے وابستگی قابل تحسین ہے اور اس کا اہتمام ہونا چاہیے، لیکن اس کے دو شرائط ہیں: ایک یہ ہے کہ روایت بارہ سو سال نہیں، چودہ سو سال پر محیط ہو۔ اس کا آغاز رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہونا چاہیے، فقہی مسالک کی تاسیس سے نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس پر کتاب اللہ کی حاکمیت قائم ہو۔ ہر روایت اور ہر راے اسی میزان پر تولی جائے۔ اگر یہ دونوں باتیں پیش نظر رہیں تو روایت مسلسل آگے بڑھتی رہتی ہے۔ پھر جدید و قدیم کی تقسیم بے معنی ہو جاتی ہے۔ پھر ماضی حال کے راستے، مستقبل سے جڑ جاتا ہے۔ موجودہ تقسیم انقطاع کو لازم کرتی ہے۔ پھر قدیم جدید کا انکار کرتا ہے اور جدید قدیم کا۔ نظریاتی کونسل کی سفارشات پر اعتراض اسی کا اظہار ہے۔

یہ وہ پس منظر ہے جس میں ہمارے ہاں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات زیر بحث ہیں۔ اگر ہم ذہنوں میں

موجود قدیم و جدید کے فرق سے بلند ہو کر اس سفارش پر نظر ڈالیں تو اختلاف کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ نظریاتی کونسل نے تفویض طلاق کا حق تسلیم کیا ہے۔ گویا عورت کا یہ حق مانا گیا ہے کہ وہ اگر خاوند کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو اپنی مرضی سے الگ ہو سکتی ہے، اگر معاہدۂ نکاح میں شوہر نے یہ حق اسے تفویض کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ خلع طلاق کا مطالبہ ہے جو شوہر سے کیا جائے گا۔ اگر وہ طلاق دے دیتا ہے تو نزاع پیدا نہیں ہوتا۔ اختلاف تو اس وقت ہوتا ہے جب شوہر اس پر آمادہ نہ ہو۔ عام اصول یہی ہے کہ جب اختلاف ہو جائے تو معاملہ عدالت کے پاس جاتا ہے۔ خلع کا مقدمہ بھی عدالت میں جائے گا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین کے فیصلوں سے واضح ہے کہ عدالت صرف اس بات کی تحقیق کرے گی کہ بیوی فی الواقعہ ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ اسباب کا کھوج لگانا اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ ثابت ہونے پر وہ لازماً دونوں میں علیحدگی کرا دے گی۔ عدالت عورت کو زبردستی روک نہیں سکتی۔ یہ خلع کے تصور کے خلاف ہے۔

عدالت کا یہ حکم اصلاً فسخ نکاح ہے۔ تاہم چونکہ تنسیخ نکاح کی دوسری صورتیں بھی ہو سکتی ہیں، اس لیے اسے الگ سے خلع کہا جا سکتا ہے۔ اس ابہام سے بچنے کے لیے بہتر ہے کہ عائلی قوانین ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۸ میں تبدیلی کر دی جائے۔ اسلامی نظریاتی کونسل ۲۰۰۸ء میں یہ سفارش کر چکی جب ایک جدید اسلامی اسکالر ڈاکٹر خالد مسعود اس کے سربراہ تھے۔ اس وقت تجویز کردہ وضاحت کے الفاظ یہ ہیں: ’’بیوی کے مطالبۂ طلاق پر، عدالت شوہر کو طلاق دینے کے لیے کہے اور وہ طلاق دے دے تو یہ خلع ہے۔ لیکن شوہر طلاق نہ دے یا عدالت میں حاضر نہ ہو یا مفقود الخبر ہو جائے اور عدالت یک طرفہ کارروائی کے ذریعے سے نکاح ختم کر دے تو یہ ’فسخ نکاح‘ ہوگا‘‘۔

میرا خیال ہے کہ اس وضاحت کے بعد کسی مزید ترمیم کی ضرورت نہیں تھی۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا مقدمہ جس طرح سامنے آیا ہے، اس سے پدرسرانہ سوچ کا تاثر لیا گیا۔ ۲۰۰۸ء میں جب کونسل خود ایک وضاحت تجویز کر چکی تو اس بحث کا ایک دفعہ پھر اٹھانا غیر ضروری ہے۔ مجھے کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ خود کونسل کے اراکین، اس ادارے کی تاریخ سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ ورنہ وہ پہیہ دوسری بار ایجاد نہ کرتے۔ بہ صورت دیگر یہ اسی مسلکی عصبیت کا اظہار ہے، کونسل جس کی تشکیلی اساس ہے کیونکہ ۲۰۰۸ء کی نظریاتی کونسل میں بعض چہرے ایسے تھے جو شخصی علمی وجاہت کے باعث ادارے کے رکن بنے نہ کہ کسی مسلکی عصبیت کے تحت۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

دین و دانش

جاوید احمد غامدی

پارلیمنٹ کی بالا دستی

[''اسلام اور ریاست ـــــ ایک جوابی بیانیہ'' پر تنقیدات کے جواب میں لکھا گیا۔]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

اسلام اور جمہوریت، دونوں کا تقاضا ہے کہ پارلیمنٹ کے فیصلوں کے سامنے عملاً سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ اِس کے معنی یہ ہیں اور سیاسی اقدار سے واقف ہر شخص یہی سمجھے گا کہ جو فیصلہ ہو جائے، اُس کے نفاذ میں رکاوٹ نہ پیدا کی جائے، اُس کے خلاف شورش نہ برپا کی جائے، کاروبار حکومت کو اُسی کے مطابق چلنے دیا جائے، اپنے حامیوں کے جتھے منظّم کر کے اُن کے ذریعے سے نظم و نسق کو معطل کرنے کی کوشش نہ کی جائے، اُس کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے جائیں اور لوگوں کو آمادۂ بغاوت نہ کیا جائے، یہاں تک کہ اُس فیصلے کے نتیجے میں اگر حکومت کسی فرد کے خلاف کوئی اقدام کرتی ہے تو اُس کو بھی صبر کے ساتھ برداشت کر لیا جائے۔ میں جس ہستی کو خدا کا پیغمبر مانتا ہوں، اُس نے مجھے یہی ہدایت فرمائی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

> ''تم پر لازم ہے کہ سمع و طاعت کا رویہ اختیار کرو، چاہے تم تنگی میں ہو یا آسانی میں اور چاہے یہ رضا و رغبت کے ساتھ ہو یا بے دلی کے ساتھ اور اِس کے باوجود کہ تمھارا حق تمھیں نہ پہنچے۔'' (مسلم، رقم ۴۷۵۴)

اِس میں صرف ایک استثنا ہے اور وہ یہ کہ مجھے خدا کی نافرمانی کا حکم دیا جائے۔ اِس صورت میں، البتہ میں اُس فیصلے کو عملاً بھی رد کر سکتا ہوں، بلکہ میرا فرض ہے کہ رد کر دوں۔

میری زندگی کا ایک ایک لمحہ گواہی دیتا ہے کہ میں نے ہمیشہ اِسی پر عمل کیا ہے اور اپنے احباب اور تلامذہ کو بھی ہمیشہ اِسی کی تلقین کی ہے۔ لیکن اِس طالب علم کی محرومی ہے کہ اِسے یہ بات کبھی معلوم نہ ہو سکی کہ پارلیمنٹ کے فیصلوں سے اختلاف کا اظہار اور جمہوری طریقوں سے اُن کو تبدیل کرانے کی کوشش بھی جرم ہے اور عملاً تسلیم کرنے کے ایک معنی یہ بھی ہوتے ہیں کہ علم و استدلال کو بھی پارلیمنٹ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے اور پارلیمنٹ اگر خدا

کے کسی حکم، کسی مسلمہ اخلاقی اصول اور کسی فطری قانون کے خلاف اور اپنے حق قانون سازی سے تجاوز کر کے بھی کوئی فیصلہ کر دے تو اُس سے اختلاف کی جسارت نہیں کرنی چاہیے۔

اِس میں طرفہ یہ ہے کہ یہ معنی میری ہی تحریر سے اور کمال دیانت اور پرہیزگاری کے ساتھ ٹھیک اُسی جملے سے غض بصر کر کے برآمد کر لیے گئے ہیں جو پوری صراحت کے ساتھ اِن کی نفی کر رہا تھا۔ میں نے لکھا تھا:

''لوگوں کا حق ہے کہ پارلیمان کے فیصلوں پر تنقید کریں اور اُن کی غلطی واضح کرنے کی بھی کوشش کرتے رہیں، لیکن اُن کی خلاف ورزی اور اُن سے بغاوت کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔''

مجھے نہیں معلوم کہ جو شخص یہ کارنامہ انجام دے، اُس کے علم و فہم کو زیادہ داد دینی چاہیے یا سچائی اور دیانت کو۔ اِس وقت تو یہی عرض کر سکتا ہوں کہ: چہ خوش چرا نہ باشد۔

بہر حال، میں واضح کر رہا ہوں کہ پارلیمنٹ کے ہر فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم ہے، لیکن میرا جمہوری حق اور دینی فریضہ ہے کہ اُس میں اگر کوئی غلطی ہے یا کہیں حدود سے تجاوز ہو گیا ہے یا اُس سے کسی کی حق تلفی ہوئی ہے تو اُس پر دلائل کے ساتھ تنقید کروں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میرے دین اور میری تہذیبی روایت کے بنیادی اصولوں میں سے ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ انصاف کی گواہی دیتے ہوئے، اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ، اگرچہ یہ گواہی خود تمھاری ذات، تمھارے ماں باپ اور تمھارے قرابت مندوں کے خلاف ہی پڑے۔ 'اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ' کے اصول کا تقاضا صرف یہ ہے کہ فصل نزاعات کے لیے اکثریت کی راے کو عملاً فیصلہ کن مان لیا جائے۔ اِس کا ہرگز یہ تقاضا نہیں ہے کہ اُس راے کو صحیح بھی مانا جائے اور اُس کی غلطی لوگوں پر واضح کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ دنیا کے تمام دساتیر اور آئینی دستاویزات میں ترمیم کا حق اِسی لیے دیا جاتا ہے کہ اِن کی کوئی چیز صحیفۂ آسمانی نہیں ہوتی۔ اہل علم کا فرض ہے کہ برابر اِن کا جائزہ لیتے رہیں اور اگر کہیں کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اُس کو درست کرانے کی جدوجہد کریں۔ اسلام اور اسلامی شریعت پر عمل کے لیے جو کچھ ریاست پاکستان میں حکومت کی سطح پر ہونا چاہیے تھا، وہ بدقسمتی سے ہوا نہیں اور جو کچھ ہوا ہے، وہ زیادہ تر بے معنی، بے بنیاد اور خود قرآن و سنت کی تصریحات کے خلاف ہے۔ میں یہ بات برسوں سے کہہ رہا ہوں اور اب بھی یہی کہی ہے۔ یہ اللہ اور اُس کے رسول اور تمام مسلمانوں کے ساتھ اُس نصح و خیر خواہی کا تقاضا ہے جس کی مجھے ہدایت کی گئی ہے۔ اِس سے کسی پاکستانی پر لرزہ طاری نہیں ہونا چاہیے، جس طرح کہ میرے ایک پرانے کرم فرما اور عزیز دوست کے بقول میری جسارت کے نتیجے میں پوری قوم پر طاری ہو گیا ہے۔

[۲۰۱۵ء]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

محمد وسیم اختر مفتی

حضرت سہیل بن بیضا رضی اللہ عنہ

حضرت سہیل کے والد کا نام وہب بن ربیعہ تھا، لیکن انھیں ان کی والدہ بیضا سے منسوب کیا جاتا ہے جن کا اصل نام دعد بنت جحدم اور بیضا لقب تھا۔ حضرت سہیل کے بھائی سہل اور صفوان بھی اپنی والدہ ہی سے منسوب کیے جاتے تھے۔ فہر بن مالک حضرت سہیل کے ساتویں (ابن سعد) یا آٹھویں (ابن عبدالبر) جد تھے جن کی نسبت سے وہ فہری کہلاتے ہیں۔ ابن اثیر نے حضرت سہیل کا شجرہ بیان کرتے ہوئے تیسرے، چوتھے اور پانچویں آبا کی جگہ عمرو، عامر اور ربیعہ کا اضافہ کر دیا ہے، اس طرح فہر دسویں پشت پر آ جاتے ہیں۔ یہ نسب درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ یہی فہر حضرت سہیل کی والدہ دعد (بیضا) کے چھٹے (یا بہ اختلاف روایت پانچویں) جد بتائے جاتے ہیں۔ زوجین کے سلسلہ ہاے نسب میں چار پشتوں کا فرق محال نظر آتا ہے۔ بنو فہر (یا بنو حارث بن فہر) قریش ہی کی ایک شاخ تھی۔ بانئ قریش نضر بن کنانہ فہر کے دادا تھے۔ اگرچہ حضرت عمار بن یاسر آں حضور صلی اللہ علیہ کے ہم عمر یا آپ سے کچھ بڑے تھے، تاہم حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں: حضرت ابوبکر اور حضرت سہیل بن بیضا کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑی عمر والے اصحاب میں ہوتا تھا۔ ابو موسیٰ (ابو امیہ: ابن عبدالبر) حضرت سہیل کی کنیت تھی۔

ابن اسحاق کی مرتبہ 'السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'* کی فہرست میں حضرت سہیل بن بیضا کا نام نہیں دیا گیا، تاہم ان کا شمار ابتدائی مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ وہ حبشہ کی طرف جانے والے مہاجرین کی پہلی جماعت میں شامل ہوئے۔ طلوع اسلام کے بعد مکہ کے کمزور مسلمان قریش کی پے در پے ایذا رسانیوں کا شکار ہوئے تو نبی

---

* التوبہ ۹: ۱۰۰۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ہدایت فرمائی: ''تم حبشہ کی طرف کیوں نہیں نکل جاتے، اس لیے کہ وہاں ایسے بادشاہ کی حکومت ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ وہ امن اور سچائی کی سرزمین ہے، (وہاں اس وقت تک قیام کرنا) جب تک اللہ تمھاری سختیوں سے چھٹکارے کی راہ نہیں نکال دیتا۔'' آپ کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے رجب ۵ نبوی میں دس مرد اور چار عورتیں (السیرۃ النبویۃ) کچھ پیادہ، کچھ سوار شعیبہ کے ساحل سمندر پر پہنچے اور حبشہ جانے کے لیے نصف دینار کرایے پر کشتی حاصل کی۔ ان اصحاب رسول کے اسما یہ ہیں: حضرت عثمان بن عفان، ان کی اہلیہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، ان کی بیوی حضرت سہلہ بنت سہیل، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد، ان کی زوجہ حضرت ام سلمہ بن ابوامیہ، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عامر بن ربیعہ، ان کی اہلیہ حضرت لیلیٰ بنت ابوحثمہ (یا ابوخیثمہ)، حضرت ابوسبرہ بن ابورہم اور حضرت سہیل بن بیضا۔ ابن سعد، طبری، ابن جوزی اور ابن کثیر نے اس فہرست میں حضرت حاطب بن عمرو، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن بیضا کا اضافہ کیا ہے۔ ابن ہشام نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو مہاجرین حبشہ کے دوسرے گروپ میں شامل کیا ہے جو حضرت جعفر بن ابوطالب کی قیادت میں حبشہ روانہ ہوئے۔ مہاجرین کے دونوں قافلوں کی کل تعداد تراسی بنتی ہے۔ حضرت سہیل بن بیضا پر ان کے قبیلے یا خاندان کی طرف سے کیے جانے والے ظلم تاریخ کے اوراق میں جگہ نہیں پا سکے، تاہم اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان پر بھی دور ابتلا گزرا ہو گا جس کی وجہ سے انھیں مہاجرین کے پہلے قافلے ہی میں شامل ہونا پڑا۔

شوال ۵ نبوی میں جب مشرکین قریش کے ایمان لانے اور ان کی طرف سے مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے مظالم بند ہونے کی افواہ حبشہ پہنچی تو وہاں پر مقیم اکثر صحابہ نے اپنے اہل خانہ کے پاس لوٹنے کا قصد کیا۔ مکہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ اطلاع غلط تھی تو وہ پھر حبشہ لوٹ گئے، یہ ان کی ہجرت ثانیہ تھی۔ تاہم حضرت عثمان بن عفان، حضرت رقیہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، حضرت سہلہ بنت سہیل، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مصعب، حضرت ابوعبیدہ، حضرت عبدالرحمٰن، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت عبداللہ بن جحش، حضرت ابوسلمہ، حضرت ام سلمہ اور حضرت سہیل بن بیضا ان تینتیس اصحاب میں شامل تھے جو حبشہ واپس نہ گئے۔ حضرت سہیل نے کسی کافر کی پناہ لیے بغیر مکہ ہی میں سکونت اختیار کر لی اور اذن ملنے پر بار دگر یہیں سے مدینہ کو ہجرت کر گئے۔ اس طرح انھیں جمع بین الہجرتین کا شرف حاصل ہوا۔ مدینہ میں حضرت سہیل بن بیضا اور ان کے بھائی حضرت صفوان کئی اور صحابہ کی معیت میں حضرت کلثوم بن ہدم کے مہمان ہوئے۔ آں حضرت صلی اللہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

علیہ وسلم نے بھی مدینہ تشریف آوری کے بعد اولاً انھی کے ہاں قیام فرمایا۔

ہجرت کے پہلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینتالیس مہاجرین کی پینتالیس انصار سے مواخات قائم فرمائی، ان اہل مواخات میں حضرت سہیل بن بیضا کا نام مذکور نہیں۔

اواخر جمادی الثانی یا رجب ۲ھ (جنوری ۶۲۴ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی سرگرمیوں کی خبر لینے کے لیے حضرت عبداللہ بن جحش کی سربراہی میں نو (بارہ: ابن سعد) مہاجرین کا ایک سریہ روانہ کیا۔ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ، حضرت عکاشہ بن محصن (یا عمار بن یاسر)، حضرت عتبہ بن غزوان، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عامر بن فہیرہ (یا عامر بن ربیعہ: ابن ہشام)، حضرت واقد بن عبداللہ، حضرت خالد بن بکیر اور حضرت سہیل بن بیضا (شاذ روایت: صفوان بن وہب) چھ اونٹوں پر سوار اس دستے میں شامل تھے۔ آپ نے حضرت عبداللہ کو ایک خط دے کر فرمایا: مدینہ سے مکہ کی جانب دو دن کا سفر، یعنی اٹھائیس میل کی مسافت طے کر لینے کے بعد وادئ ملل (یا ابن ضمیرہ کے کنویں پر) پہنچ کر اسے پڑھنا۔ جب خط کھولا تو لکھا پایا: ''مکہ اور طائف کے بیچ واقع مقام نخلہ کی طرف سفر جاری رکھو، تمھارے ساتھیوں میں سے جو آگے نہ جانا چاہے، اسے مجبور نہ کرو۔ وہاں پہنچ کر قریش کی نگرانی کرو اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کرو۔'' حضرت سہیل بن بیضا سمیت تمام شرکا شوق شہادت سے سرشار تھے، اس لیے سفر منقطع نہ کیا۔ دستہ فرع سے آگے بحران کے مقام پر پہنچا تو عتبہ بن غزوان اور سعد کا مشترکہ اونٹ کھو گیا۔ دونوں اسے تلاش کرنے لگ گئے، ابن جحش باقی ساتھیوں کو لے کر چلتے رہے اور نخلہ پہنچ گئے۔ کشمش، کھالیں اور دوسرا سامان تجارت لے کر چار افراد پر مشتمل قریش کا قافلہ گزرا۔ اہل قافلہ انھیں دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے تو عکاشہ نے سر منڈا لیا، کفار کو مغالطہ ہوا کہ مسلمان عمرہ کے لیے جا رہے ہیں اور مطمئن ہو گئے۔ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا، یہ رجب کی آخری تاریخ ہے۔ اگر قافلے والوں کو چھوڑ دیا تو یہ حرم پہنچ کر مامون ہو جائیں گے اور اگر قتال کیا تو یہ حرام مہینے میں ہوگا۔ کچھ تردد کے بعد انھوں نے حملے کا فیصلہ کیا۔ مشرک کھانا پکانے میں مصروف تھے، حضرت واقد بن عبداللہ نے تیر مار کر قافلے کے سردار عمرو بن حضرمی کو قتل کر دیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو قید کر لیا۔ نوفل بن عبداللہ فرار ہو گیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد یہ ساتویں مہم اور پہلا سریہ تھا جس میں کامیابی ملی، عمرو عہد اسلامی کا پہلا قتیل، عثمان اور حکم پہلے اسیر ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش نے تاریخ اسلامی میں حاصل ہونے والے پہلے مال غنیمت کی اپنے تئیں تقسیم کر کے ۱/۵ حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھ لیا، حالاں کہ خمس کا حکم نازل نہ ہوا تھا اور زمانۂ جاہلیت میں سرداران قوم کے لیے ربع غنیمت (مرباع) مختص کرنے کی نظیر پائی جاتی تھی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اہل سریہ مدینہ پہنچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمھیں ماہ حرام، رجب میں جنگ کرنے کو نہیں کہا تھا۔آپ نے مال غنیمت اوراسیروں کے معاملے میں توقف کیااور کچھ لینے سے انکارفرمادیا تو صحابہ پشیمان ہوگئے کہ شاید وہ ہلاکت میں پڑ گئے۔مسلمان بھائیوں نے ان کو برا بھلا کہا تو قریش نے بھی طعنہ زنی کی۔ چہ میگوئیاں بڑھ گئیں تو ارشاد ربانی نازل ہوا:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ قُلْ قِتَالٌ فِیْہِ کَبِیْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکُفْرٌ بِہٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَھْلِہٖ مِنْہُ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ وَالْفِتْنَۃُ اَکْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ.

(البقرہ۲: ۲۱۷)

''آپ سے ماہ حرام میں قتال کرنے کی بابت سوال کرتے ہیں۔کہہ دیجیے،اس مہینے میں جنگ کرنا بہت برا ہے،(اس کے ساتھ ساتھ) لوگوں کواللہ کی راہ سے روکنا، اللہ کو نہ ماننا،مسجدحرام کا راستہ بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو نکال باہر کرنا اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر ہےاورفتنہ وفساد قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔''

اس حکم وحی کے بعد آپ نے مال غنیمت اور قیدیوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔حضرت سعد اور حضرت عتبہ صحیح سلامت واپس آ گئے تو آپ نے سولہ سو دینار فدیہ لےکر قریش کے اسیروں عثمان اور حکم کو چھوڑ دیا۔حکم بن کیسان نے رہائی کے فوراً بعد آپ کی دعوت پراسلام قبول کر لیا۔

حضرت سہیل بن بیضا نے جنگ بدر میں حصہ لیا تو ان کی عمر چونتیس برس تھی۔حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں: غزوہ کے اختتام پرقریش کے قیدی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے صحابہ سے ان قیدیوں کے بارے میں مشورہ فرمایا۔سیدنا ابوبکر نے کہا: ''یارسول اللہ، یہ آپ کی قوم اورآپ کے اعزہ واقارب ہیں،انھیں زندہ رہنے دیجیے اوران سے نرمی برتیں، ہوسکتا ہے،انھیں اللہ کی طرف سے توبہ کی توفیق مل جائے۔'' سیدنا عمر کا کہنا تھا: ''یارسول اللہ، انھی لوگوں نے آپ کو شہر مکہ سے نکالا اور آپ کی تکذیب کی۔ان کی گردنیں اڑا دیجیے۔'' حضرت عبداللہ بن رواحہ نے سجھاؤ دیا: ''یارسول اللہ،اس وادی کو دیکھیں جس میں بے شمار بالن ہے،مشرکوں کو اس میں گھسیڑ دیں اورآگ لگا دیں۔'' مشرک فوج کی طرف سے حصہ لینے والے آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب نے اعتراض کیا کہ آپ قطع رحمی کر رہے ہیں۔آپ خاموش رہے تو کچھ صحابہ نے اندازہ لگایا کہ آپ سیدنا ابوبکر کا مشورہ مان لیں گے، دوسروں کا خیال تھا کہ حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کی رائے کو ترجیح دیں گے۔آپ سامنے آئے تو فرمایا: اللہ اس باب میں کچھ لوگوں کے دل دودھ سے زیادہ نرم اور دوسروں کے پتھر سے زیادہ سخت کر

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

دے گا۔ پھر سیدنا ابوبکر سے مخاطب ہوئے: تمھاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے جنھوں نے فرمایا تھا:

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (سورۂ ابراہیم ۱۴:۳۶)

''سو جو میری پیروی کرے گا مجھ سے ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔''

تمھاری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بھی ہے جنھوں نے کہا:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ. (المائدہ ۵:۱۱۸)

''اے اللہ، تو اگر انھیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کر دے تو تو ہی ہے غالب، حکمت والا۔''

سیدنا عمر کی طرف رخ کرکے آپ نے فرمایا: تمھاری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی ہے جنھوں نے فرمایا تھا:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا. (نوح ۷۱:۲۶)

''اے میرے رب، روے زمین پر کافروں میں سے ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑنا۔''

اور تمھاری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح بھی ہے جن کا کہنا تھا:

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ. (یونس ۱۰:۸۸)

''اے ہمارے رب، ان کے مال ملیا میٹ کر دے اور ان کے دل سخت کر دے تاکہ وہ ایمان نہ لانے پائیں، حتیٰ کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: تم تنگ دست ہو، ان قیدیوں میں سے کوئی بھی چھوٹنے نہ پائے، وہ فدیہ دے یا اس کی گردن اڑا دی جائے۔ حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے کہا: یارسول اللہ، سوائے سہیل بن بیضا کے، کیونکہ میں نے انھیں اسلام کا ذکر کرتے سنا ہے۔ آپ خاموش رہے تو مجھے اس قدر خوف آیا، گویا اس روز مجھ پر آسمان سے سنگ باری ہو جائے گی۔ آپ نے میری بات ''سوائے سہیل بن بیضا کے'' دہرائی تو مجھے سکون ہوا (ترمذی، رقم ۳۰۸۴۔ احمد، رقم ۳۶۳۲۔ مستدرک حاکم، رقم ۴۳۰۴)۔

اس حدیث کے راوی سے تسامح ہوا کہ سہل بن بیضا کے بجاے ان کے بھائی سہیل کا نام بیان کر دیا۔ دونوں بھائی قدیم الاسلام ہیں، تاہم سہیل بن بیضا کا اسلام عیاں تھا، اسی لیے انھیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی، وہ سریۂ عبداللہ بن جحش میں شرکت کر چکے تھے، غزوۂ بدر میں جیش اسلامی میں ان کی شمولیت بھی نمایاں تھی۔ شرکاے بدر میں ان کا نام صراحت سے مذکور ہے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انھیں دشمن مشرک فوج کا قیدی سمجھ لیا جاتا۔ ان کے برعکس حضرت سہل بن بیضا نے ابتداے اسلام میں ایمان لانے کے باوجود اپنا ایمان چھپائے رکھا۔ قریش نے بنو ہاشم کے

مقاطعہ کی دستاویز بیت اللہ میں لٹکا کر انھیں شعب ابوطالب میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تو اسے پھاڑنے میں حضرت سہل نے اہم کردار ادا کیا۔ اس کے باوصف قریش مکہ انھیں اپنا ساتھی سمجھتے رہے، حتیٰ کہ بدر کی طرف جانے والی فوج میں بھی دھر لیا۔ معرکۂ فرقان میں اسیر ہوئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان کے اسلام کی گواہی دی۔ انھوں نے بتایا کہ میں نے حضرت سہل کو مکہ میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ مسند احمد کی اسی مضمون پر مشتمل روایت ۳۶۳۴ میں حضرت سہیل کے بجاے حضرت سہل کا نام مذکور ہوا ہے۔ حضرت سہیل کے تیسرے بھائی حضرت صفوان بن بیضا معرکۂ فرقان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ شریک ہوئے۔ حضرت سہیل جنگ احد، جنگ خندق اور باقی تمام غزوات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔

حضرت انس بتاتے ہیں: ''میں حضرت ابوطلحہ انصاری، حضرت ابودجانہ (سماک بن خرشہ) اور حضرت سہیل بن بیضا سے چھوٹا تھا اور انھیں نیم پختہ گدر کھجوروں اور چھوہاروں سے بنی ہوئی شراب پلایا کرتا تھا۔ جب حرمت خمر کا حکم نازل ہوا تو میں نے یہ سب بہا دی، کیونکہ ہم اسے شراب ہی سمجھا کرتے تھے'' (بخاری، رقم ۵۶۰۰۔ مسلم، رقم ۵۱۸۰)۔ نبیذ حرام نہیں اگر گدر کھجور، چھوہارے یا انگور سے الگ الگ بنائی جائے، کیونکہ اس سے نشہ نہیں ہوتا، لیکن جب ان میں سے دو اجناس کھجور اور چھوہارا یا کھجور اور انگور کو ملا کر شراب بنا لی جائے تو نشہ آور ہونے کی وجہ سے قطعاً حرام ہو جاتی ہے، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جمع کرنے سے منع فرمایا (بخاری، رقم ۵۶۰۲۔ مسلم، رقم ۵۱۸۱)۔ حضرت انس ہی کی روایت ہے: ''میں کل گیارہ صحابہ کا ساقی تھا'' (مصنف عبدالرزاق، رقم ۱۶۹۷۰)۔ تین کا ذکر بخاری و مسلم کی اس روایت میں آ گیا ہے، مزید دو حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت ابی بن کعب بخاری کی روایت ۵۵۸۴ اور مسند احمد کی روایت ۱۲۸۰۴ میں مذکور ہیں۔ مسلم کی روایات ۵۱۷۴ اور ۵۱۷۹ میں حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت معاذ بن جبل کے نام آئے۔ ابن حجر نے سیدنا ابوبکر و عمر کی بادہ نوشی کی تردید کرنے کے بعد انھیں بھی ان گیارہ میں شمار کر لیا، ایک غیر معروف صحابی ابوبکر بن شغوب کو شامل کیا تو بھی عدد دس تک پہنچا اور گیارہ کی گنتی مکمل نہ ہو سکی۔

غزوۂ تبوک میں حضرت سہیل بن بیضا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی اونٹ پر سفر کیا۔ آپ نے ''یا سہیل'' کہہ کر دو یا تین مرتبہ انھیں پکارا تو انھوں نے ''لبیک'' کہہ کر ہر بار جواب دیا۔ صحابہ نے آپ کا کلام سنا تو یہ جان کر رک گئے کہ آپ ان کو اکٹھا کرنا چاہتے ہیں۔ اگلوں نے سواریاں بٹھا لیں اور پچھلے آن ملے۔ سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: ''جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، تو اللہ

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اسے دوزخ پر حرام کر دے گا اور جنت اس کے لیے لازم کر دے گا'' (احمد، رقم ۱۵۶۷۸۔ مستدرک حاکم، رقم ۶۶۴۶)۔

یہ آخری سفر تھا جو حضرت سہیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا۔ تبوک سے واپسی پر ان کی زندگی کا سفر بھی تمام ہو گیا۔

حضرت سہیل بن بیضا نے ۹ھ میں چالیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ان کا جنازہ پڑھایا اور نماز کے بعد دعا نہ فرمائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے وفات پائی تو سیدہ عائشہ نے حکم دیا کہ ان کی میت مسجد نبوی میں ان کے پاس لائی جائے تاکہ وہ اور دوسری امہات نماز جنازہ ادا کر سکیں۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ جنازوں کو مسجد میں نہ لانا چاہیے تو جواب دیا: لوگ کتنی جلد بھول جاتے ہیں اور ان معاملات میں عیب جوئی کرنے لگتے ہیں جن کا انھیں علم ہی نہیں ہوتا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہیل بن بیضا (اور ان کے بھائی) کی نماز جنازہ اندرون مسجد میں ادا نہ فرمائی تھی (مسلم، رقم ۲۲۱۳۔ احمد، رقم ۲۴۳۸۰)؟ حضرت سہیل کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔

حضرت سعید بن صلت نے غزوۂ تبوک والی روایت حضرت سہیل بن بیضا سے نقل کی ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ یہ روایت مرسلہ ہے، اس لیے کہ سعید کا سہیل سے سماع ثابت نہیں (التاریخ الکبیر)۔ اس کے علاوہ حضرت سہیل بن بیضا سے کوئی روایت مروی نہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، تاریخ الامم والملوک (طبری)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبدالبر)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)، فتح الباری (ابن حجر)، جمل من انساب الاشراف (بلاذری)۔

> ''روزے کا منتہاے کمال اعتکاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی شخص کو اِس کی توفیق دے تو اُسے چاہیے کہ روزوں کے مہینے میں جتنے دنوں کے لیے ممکن ہو، دنیا سے الگ ہو کر اللہ کی عبادت کے لیے مسجد میں گوشہ نشین ہو جائے اور بغیر کسی ناگزیر انسانی ضرورت کے مسجد سے باہر نہ نکلے۔''
> (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۶۷)

شبلی نعمانی

علوم القرآن

اس امر سے زیادہ کیا چیز حیرت انگیز ہوسکتی ہے کہ مذہب اسلام کی روح وروان جو کچھ کہو قرآن ہے، تاہم آج کل مسلمانوں کو جس قدر قرآن کے ساتھ بے اعتنائی ہے، کسی چیز سے نہیں۔ عربی کے موجودہ درس میں ہر علم وفن کی کتابیں کثرت سے داخل ہیں، لیکن فن تفسیر کی صرف دو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ ''جلالین'' اور ''بیضاوی'' جن میں سے پہلی اس قدر مختصر ہے کہ اس کے الفاظ وحروف قرآن مجید کے الفاظ وحروف کے برابر برابر ہیں، اور دوسری گو چنداں مختصر نہیں، لیکن اس کے صرف ڈھائی پارے درس میں داخل ہیں جو کتاب کا پانچواں حصہ بھی نہیں۔

منطق وفلسفہ کی مدت تحصیل پانچ برس ہے اور دیگر علوم پر بھی ایک معتد بہ زمانہ صرف ہوتا ہے، لیکن قرآن مجید اور تفسیر کی تحصیل کے لیے پورا سال بھر گوارا نہیں کیا جاتا۔ عربی علوم فنون کی کتابیں کثرت سے چھپ چھپ کر شائع ہو رہی ہیں۔ اور خصوصاً فن حدیث کا سرمایہ تو اس قدر وجود میں آ گیا ہے کہ اگلوں کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا، لیکن قرآن مجید کے متعلق دو ایک معمولی درسی تفسیروں کے سوا آج تک کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ یہ تو ظاہری بے پروائی کی کیفیت ہے۔ معنوی حیثیت سے دیکھو تو اس سے بھی زیادہ افسوس ناک حالت ہے۔ تمام مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کا معجزہ ہونا اس کی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ہے۔ لیکن کیا ہمارے علما اس دعویٰ کو ثابت کر سکتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ قرآن مجید کی انشا پردازی کی کیا خصوصیات ہیں۔ قرآن مجید نے بلاغت کے کیا کیا نئے اسلوب پیدا کیے۔ شعراے جاہلیت نے مدح وذم، فخر وثنا، شادی وغم، عزم واستقلال، نیکی ورحم دلی، جوش واثر کے مضامین کو جس پایہ تک پہنچایا تھا، قرآن مجید نے انھی مضامین کو کس رتبہ تک پہنچا دیا؟ تو کیا ہزاروں علما میں سے

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ایک بھی ان سوالوں کا معقول جواب دے سکے گا؟ ادب و بلاغت پر موقوف نہیں، فقہ، اصول، علم کلام، سب کا ماخذ قرآن مجید ہے، لیکن ہمارے علما خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ علوم مذکورہ کے مسائل کو انھوں نے قرآن مجید سے سیکھا ہے یا ہدایہ وتلویح وعقائد نسفی سے۔

یہ شکایت نئی نہیں، تقریباً چھ سو برس سے یہی حالت ہے۔ اس سے صرف یہی نہیں ہوا کہ قرآن مجید کے متعلق نئی تالیفات کا سلسلہ بند ہو گیا، بلکہ افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ قدما کی نادر اور بیش بہا تصنیفات ناپید ہو گئیں۔ خاص قرآن مجید کے اعجاز پر قدما نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں، جن میں سے آٹھ یا نو کتابوں کا تذکرہ جلال الدین سیوطی نے ''اتقان'' میں کیا ہے۔ لیکن لوگوں کی بد مذاقی سے ان میں سے صرف باقلانی کی ایک کتاب رہ گئی ہے جو اس باب میں معمولی درجہ کی تصنیف ہے۔ اگرچہ ابوبکر عربی اسی کو 'احسن الکتب' کا خطاب دیتے ہیں۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شروع اسلام سے آج تک قرآن مجید کے متعلق جو کچھ علمی سرمایہ مہیا کیا گیا، ان پر ایک مختصر ریویو کیا جائے جس سے ایک طرف تو ثابت ہو گا کہ ہمارے اسلاف نے اور علوم کی طرح اس فن کو کس قدر وسیع کیا تھا اور کیا کیا نکتہ آفرینیاں کی تھیں۔ دوسری طرف یہ ظاہر ہو گا کہ قدما نے گو اپنے زمانہ کے موافق تحقیقات وتدقیقات کا حق ادا کر دیا تھا۔ تاہم آج بہت سے نئے پہلوؤں سے ان مسائل پر بحث کی ضرورت ہے۔

قرآن مجید جس وقت نازل ہو رہا تھا، اس وقت جو لوگ موجود تھے، وہ اگرچہ اس کے مطالب و معانی کے سمجھنے میں کسی معلم یا استاد کے محتاج نہ تھے۔ تاہم بعض بعض مقامات میں جہاں زیادہ اجمال ہوتا تھا یا کوئی قصہ طلب بات ہوتی تھی، لوگ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا کرتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فتوحات کی ترقی اور تمدن کی وسعت کی وجہ سے احکام میں نئی نئی صورتیں پیش آنے لگیں اور اس ضرورت سے قرآن مجید کی آیات احکامیہ پر غور وفکر کرنے کی ضرورت پڑی۔ صحابہ میں سے جو لوگ علم وفضل میں زیادہ ممتاز تھے، انھوں نے اس طرف زیادہ توجہ کی۔ ان بزرگوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سب کے پیشرو تھے۔ ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے حلقۂ درس نے نہایت وسعت حاصل کی اور سینکڑوں، ہزاروں شاگرد پیدا ہو گئے۔ ان میں سے مجاہد، عطاء بن رباح، عکرمہ، سعید بن جبیر، سب سے ممتاز تھے۔ ان بزرگوں کے سوا جن لوگوں نے فن تفسیر پر توجہ کی، وہ حسن بصری، عطاء بن سلمہ خراسانی، محمد بن کعب القراظی، ابوالعالیہ، ضحاک بن مزاحم، قتادہ، زید بن اسلم، ابو مالک وغیرہ ہیں، غالباً سب سے پہلے اس فن کی جس نے ابتدا کی، وہ سعید بن جبیر تھے۔ عبدالملک بن

مروان نے ان سے تفسیر لکھنے کی درخواست کی، چنانچہ انھوں نے اس کی فرمایش کے موافق تفسیر لکھ کر دربار خلافت میں بھیجی اور اس کا نسخہ دفتر شاہی میں داخل کیا گیا۔ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے، وہ درحقیقت یہی تفسیر ہے[1]۔

اس طبقہ کے بعد ائمۂ مجتہدین اور ان کے ہم عصروں، مثلاً سفیان بن عیینہ، شعبہ، یزید بن ہارون، عبدالرزاق، ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ نے تفسیریں لکھیں۔ اس کے بعد عام رواج ہو گیا اور سینکڑوں، ہزاروں تفسیریں تصنیف ہو گئیں اور ہوتی رہیں۔

تفسیر کے علاوہ قرآن مجید کے خاص خاص مباحث پر جداگانہ اور مستقل تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا، اور یہ سلسلہ تفسیر سے بھی زیادہ مفید تھا، کسی نے صرف مسائل فقیہ پر بحث کی، کسی نے اسباب نزول پر کتاب لکھی، کسی نے صرف ان الفاظ کو جمع کیا جو غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ کسی نے امثال قرآنی کو یکجا کیا۔ کسی نے آیات مکررہ کے نکات بیان کیے، اس قسم کے مضامین کی تعداد ۸۰ کے قریب پہنچی اور قریباً ہر ایک پر الگ الگ مستقل تصنیفیں لکھی گئیں[2]، ان مضامین میں سے بعض بعض پر تمام بڑے بڑے ائمۂ فن نے طبع آزمائیاں کیں اور ہزاروں کتابیں تیار ہو گئیں۔

یہ تصنیفات بے شمار ہیں، لیکن ان سب کو چھ قسموں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ فقہی۔ جس میں صرف ان آیتوں کو یکجا کیا ہے، جن سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے۔ مثلاً ''احکام القرآن'' اسمٰعیل بن اسحٰق، ''احکام القرآن'' ابوبکر رازی، ''احکام القرآن'' قاضی یحییٰ بن اکثم۔

۲۔ ادبی۔ ان تصنیفات میں قرآن مجید کا فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معجز اور بے نظیر ہونا ثابت کیا ہے، اسی سلسلہ میں وہ تصنیفات بھی داخل ہیں جو قرآن مجید کی حقیقت و مجاز، تشبیہات و استعارات، مکررات، وجوہ ترتیب، صنائع و بدائع وغیرہ وغیرہ پر لکھی گئیں۔

۳۔ تاریخی۔ قرآن مجید میں انبیاے سابقین اور بزرگوں کے جو قصے مذکور ہیں، ان کی تفصیل اور مزید حالات۔

۴۔ نحوی۔ جس میں قرآن مجید کے نحوی مسائل سے بحث کی ہے۔ مثلاً ''اعراب القرآن'' رازی وغیرہ۔

۵۔ لغوی۔ یعنی قرآن مجید کے الفاظ مفردہ کے معانی اور ان کی تحقیق۔ مثلاً ''لغات القرآن'' ابوعبیدہ وغیرہ۔

۶۔ کلامی۔ جن آیتوں سے عقائد کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں، ان پر بحث۔

۱؎ یہ تفصیل ''میزان الاعتدال'' ذہبی اور تذکرہ عطاء بن دینار سے ماخوذ ہے۔

۲؎ دیکھو ''اتقان فی علوم القرآن'' کا دیباچہ۔

ان مضامین میں سے فقہی مباحث پر جو کچھ لکھا گیا، اس پر اضافہ کی بہت کم گنجایش ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس بحث پر بڑے بڑے ائمۂ فن نے طبع آزمائیاں کیں اور چونکہ شروع ہی سے ان مسائل سے متعلق الگ الگ فرقے بن گئے تھے۔ کسی فریق نے تدقیق وتحقیق کا دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ امام شافعی، قاضی یحییٰ بن اکثم، (استاد ترمذی) ابوبکر رازی، جس پایہ کے لوگ تھے، سب کو معلوم ہے۔ ابوبکر رازی کی تصنیف آج بھی موجود ہے اور ہماری نظر سے گزر چکی ہے۔ اسی طرح لغات قرآن اور مسائل نحویہ پر جو کچھ لکھا گیا، اس سے بڑھ کر نہیں لکھا جا سکتا۔

فصاحت و بلاغت کے متعلق نہایت کثرت سے کتابیں لکھی گئیں، جو اعجاز القرآن کے نام سے مشہور ہیں، ان میں فصاحت و بلاغت کے تمام اقسام سے بحث کی ہے۔ سب سے پہلے غالباً جاحظ المتوفی ۲۵۵ء نے اس موضوع پر لکھا۔ پھر محمد بن یزید واسطی، عبدالقاہر جرجانی، رمانی خطابی، زرقانی، رازی، ابن سراقہ، قاضی ابوبکر باقلانی نے بسیط اور مفصل کتابیں لکھیں، یہ کتابیں آج بالکل ناپید ہیں۔

میں نے قسطنطنیہ اور مصر کے تمام کتب خانے دیکھے، لیکن ایک کتاب کا بھی پتا نہ لگا۔ البتہ قاضی باقلانی کی تصنیف موجود ہے۔ اس کا نسخہ میں نے حذیو کے کتب خانہ سے لکھوا کر منگوایا تھا۔ اوراب وہ چھپ بھی گئی ہے۔ اس کتاب کی نسبت ابن العربی[۳] کا قول ہے کہ اس بحث پر کوئی کتاب اس درجہ کی تصنیف نہیں ہوئی۔ ابن العربی کی رائے پر اگر اعتماد کیا جائے تو اسلاف کی علمی حالت پر سخت افسوس ہوگا، کیونکہ باقلانی کی کتاب گو انشاء پردازی کے لحاظ سے بلند رتبہ ہے، لیکن اصل مضمون کی حیثیت سے محض ایک ملّایانہ تصنیف ہے۔

عبدالقاہر جرجانی جو فن بلاغت کا موجد ہے، اس کی اعجاز القرآن ہم نے نہیں دیکھی، لیکن اس کی دو کتابیں ''دلائل الاعجاز'' اور ''اسرار البلاغہ'' جو خاص فن بلاغت میں ہیں ہمارے پیش نظر ہیں۔ ان کتابوں میں اس نے جو نکتہ آفرینیاں کی ہیں، وہ حیرت انگیز ہیں، اور اس لیے قیاس ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید پر اس نے جو کچھ لکھا ہوگا، بے مثل ہوگا۔ اسی طرح جاحظ کی تصنیف بھی بے نظیر ہوگی، لیکن چونکہ پانچ چھ سو برس سے قوم کا علمی مذاق بالکل پست ہوگیا ہے، اس لیے لوگ ابن العربی، باقلانی ہی کی تصنیف کو بہترین تصانیف قرار دیتے ہیں۔

اعجاز القرآن کے سلسلہ کے علاوہ اور بہت سی تصنیفات ہیں۔ جن میں انشاء پردازی کی خاص خاص قسموں سے بحث کی ہے۔ مثلاً ابن ابی الاصبع نے قرآن مجید کے صنائع و بدائع پر مستقل کتاب لکھی۔ عزالدین بن عبدالسلام نے قرآن کے مجازات کو یک جا کیا۔ ابوالحسن ماوردی نے قرآن کی ضرب المثلیں جمع کیں، اور ان کی خوبیاں دکھائیں۔

۳؎ اتقان، بحث اعجاز القرآن۔

علامہ سیوطی نے سورتوں کے طریق ابتدا پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام ''الخواطر السوانح فی اسرار الفواتح'' ہے۔ ابن القیم نے ''کتاب التبیان'' اس بحث پر لکھی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کثرت سے قسمیں کیوں کھائی ہیں۔

قصص اور حقائق اشیا کے متعلق تصنیفات کا جو سرمایہ ہے، وہ درحقیقت شرم کا باعث ہے اور افسوس اور سخت افسوس ہے کہ تفسیر کے اجزا میں سے جو حصہ سب سے زیادہ عوام میں مقبول اور متداول ہے اور سلسلہ بہ سلسلہ تمام اسلامی لٹریچر میں سرایت کر گیا ہے، وہ یہی حصہ ہے، انبیا اور صلحاے سابقین کے افسانے نے جو یہودیوں میں پھیلے ہوئے تھے، وہ نہایت مبالغہ آمیز اور دور از کار تھے۔ قرآن مجید میں نہایت اجمال کے ساتھ صرف ان واقعات کو بیان کیا، جو فی نفسہٖ صحیح تھے اور جن سے طبائع پر کوئی عمدہ اخلاقی اثر پڑتا تھا۔ ہمارے مفسروں نے قرآن مجید کو ایک مشن قرار دیا۔ اور اس کی شرح میں وہ تمام بے ہودہ افسانے شامل کر دیے، جن کے سامنے بوستان خیال کی بھی کچھ حقیقت نہیں، حقائق اشیا کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں مذکور تھا، اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا، چاہ بابل، کوہ قاف، سکندر ذوالقرنین، یاجوج ماجوج وغیرہ وغیرہ کی نسبت جو روایتیں مسلمانوں میں پھیلی ہیں، وہ انھی تفسیروں کی بدولت ہیں۔ علامہ ابن خلدون نے اس کے متعلق ''مقدمۂ تاریخ'' میں نہایت محققانہ مضمون لکھا ہے۔ ہم اس کی عبارت اس موقع پر بقدر ضرورت نقل کرتے ہیں:

وقد جمع المتقدمون فی ذٰلك وأوعوا إلّا أنّ كتبهم ومنقولاتهم تشتمل على الغث والسمين والمقبول والمردود، والسبب فی ذٰلك أن العرب لم يكونوا أهل كتاب ولا علم، وإنما غلبت عليهم البداوة والأمية، وإذا تشوقوا إلى معرفة شيءٍ مما تتشوق إليه النفوس البشرية فی أسباب المكونات وبدء الخليقة وأسرار الوجود فإنما يسألون عنه أهل الكتاب قبلهم ويستفيدونه منهم وهم أهل التوراة من اليهود ومن تبع دينهم من النصارٰى وأهل التوراة الذين بين

''اور اس باب میں متقدمین نے بڑا ذخیرہ جمع کیا، لیکن ان کی تصنیفات اور روایتوں میں نیک و بد، مقبول و مردود سب کچھ شامل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب لکھے پڑھے نہ تھے، اور ان پر بالکل بدویت اور جہالت غالب تھی اور جب ان کو ان اشیا کی دریافت کا شوق ہوتا تھا، جو طبایع بشری کا اقتضا ہے، مثلاً آفرینش عالم کے اسباب، دنیا کی ابتدا، وجود کے اسرار تو ان باتوں کو وہ لوگ یہودیوں سے دریافت کرتے تھے یا ان عیسائیوں سے جو یہودیوں کے مقلد تھے اور اس زمانہ کے یہود ایسے ہی جاہل تھے جیسے بادیہ نشین عرب، ان کو صرف وہی معلومات تھیں جو عوام اہل کتاب کو ہوتی ہیں، پھر جب یہ لوگ اسلام لائے تو ان امور کے متعلق

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

العرب يومئذ بادية مثلهم و لا يعرفون من ذلك إلا ما تعرفه العامة من أهل الكتاب و معظمهم من حمير الذين أخذوا بدين اليهودية، فلما أسلموا بقوا على ما كان عندهم مما لا تعلّق له بالأحكام التى يحتاطون لها مثل أخبار بدء الخليقة و ما يرجع إلى الحدثان و الملاحم و أمثال ذٰلك. و هؤلاء مثل كعب الأحبار ووهب بن منبه وعبد اللّٰه بن سلام وأمثالهم. فامتلأت التفاسير من المنقولات عندهم ... و تساهل المفسرون فى مثل ذٰلك و ملؤا كتب التفسير بهذه المنقولات و أصلها كما قلناه عن أهل التوراة الذين يسكنون البادية و لا تحقيق عندهم بمعرفة ما ينقلونه من ذٰلك إلا أنهم بعد صيتهم وعظمت أقدارهم لما كانوا عليه من المقامات فى الدين و الملة فتلقيت بالقبول من يومئذ۔[4]

جو احکام شرعی سے تعلق نہیں رکھتے تھے، مثلاً دنیا کا آغاز، واقعات قدیمہ اور قصص انبیا ان کے خیالات وہی رہے جو پہلے سے تھے، ان اسلام لانے والوں میں کعب احبار، وہب بن منبہ، عبداللہ بن سلام وغیرہ تھے، اس لیے تمام تفسیریں ان کی روایتوں سے بھر گئیں اور اس قسم کے امور میں مفسرین سہل انگاری کرتے ہیں، اس لیے ان لوگوں نے تفسیر کی کتابوں کو انھی روایتوں سے بھر دیا اور، جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں، ان روایتوں کا ماخذ وہی توراۃ والے تھے جو صحرا نشین تھے، اور ان کو ان روایتوں کے متعلق کچھ تحقیق حاصل نہ تھی، لیکن چونکہ مذہباً ان لوگوں کا پایہ بلند تھا اور قوم میں ان کو شہرت اور عظمت حاصل تھی، اس لیے وہ روایتیں قبول عام پا گئیں۔‘‘

علامہ ابن خلدون نے جو کچھ لکھا، محدثانہ تحقیق بھی تمام تر اسی کی تائید کرتی ہے۔ انبیاء سابقین اور زمین و آسمان وغیرہ کی آفرینش کے متعلق جو کچھ تفسیروں میں مذکور ہے، وہ عموماً قدما مفسرین سے ماخوذ ہے۔ یعنی مجاہد، سدی، ضحاک، مقاتل بن سلیمان، کلبی ان میں سے تین مقدم الذکر نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا، اور ان سے روایتیں حاصل کی تھیں۔ مقاتل نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ کلبی بھی اسی دور کے مفسر ہیں، نقلی مضامین کے متعلق آج جس قدر تفسیریں ہیں، سب انھی بزرگوں سے ماخوذ ہیں۔ امام شافعی کا قول ہے کہ فن تفسیر میں تمام لوگ مقاتل کے وظیفہ خوار ہیں۔[5] سدی کی

---

[4] مقدمہ ابن خلدون، باب علوم القرآن۔

[5] میزان الاعتدال ذہبی۔

نسبت جلال الدین سیوطی نے ''کتاب الارشاد' سے نقل کیا ہے کہ 'التفاسیر تفسیر السدی'یعنی تمام تفسیروں میں سدی کی تفسیر سب سے اچھی ہے۔امام طبری کی تفسیر کے متعلق تمام علما کا اتفاق ہے کہ صحت وتنقید میں لا جواب ہے، لیکن یہ تفسیر بھی زیادہ تر سدی اور ضحاک سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے ''اتقان'' باب ہشتاد و دہم میں تصریح کی ہے۔

ان بزرگوں کا یہ حال ہے کہ مجاہد کی تفسیر کی نسبت جب لوگوں نے امام اعمش سے دریافت کیا کہ اس میں غلطیاں کیوں پائی جاتی ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ اہل کتاب سے ماخوذ ہے۔ضحاک کی نسبت محدثین نے تصریح کی ہے کہ ابن عباس اور ابو ہریرہ سے انھوں نے جو روایتیں کی ہیں، سب مخدوش ہیں،یعنی ان کی صحت میں کلام ہے۔ اس کے ساتھ یحییٰ بن سعید قطان نے، جو اسماء الرجال کے امام ہیں،تصریح کی ہے کہ ضحاک میرے نزدیک ضعیف الروایۃ ہیں۔سدی کا یہ حال ہے کہ امام شعبی سے کسی نے کہا کہ سدی کو قرآن کے علم کا حصہ ملا ہے تو انھوں نے کہا کہ قرآن کے جہل کا حصہ ملا ہے۔مقاتل کی نسبت وکیع کا قول ہے کہ کذاب تھا۔محدث نسائی فرماتے ہیں کہ مقاتل جھوٹ بولا کرتا تھا۔عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ مقاتل کی تفسیر بہت اچھی تھی۔ کاش وہ ثقہ بھی ہوتا۔ جوز جانی نے لکھا ہے کہ مقاتل نہایت دلیر دجال تھا۔محدث ابن حبان نے لکھا ہے کہ مقاتل قرآن مجید کے متعلق یہود و نصاریٰ سے وہ باتیں سیکھا کرتا تھا جو ان کی روایتوں کے مطابق ہوئی تھیں۔کلبی کی نسبت تو عام اتفاق ہے کہ ان کی تفسیر دیکھنے کے قابل نہیں۔امام احمد بن حنبل اور دارقطنی، امام بخاری، جوز جانی، ابن معین سب نے تصریح کی ہے کہ وہ نا قابل اعتبار تھا۔ابن حبان کا قول ہے کہ کلبی کا کذب و دروغ اس قدر ظاہر ہے کہ اس میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں[۶]۔ایک ضمنی تذکرہ میں ان بزرگوں کی اس قدر پردہ دری شاید موزوں نہ تھی،لیکن ان لوگوں نے اسلام کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے، اس کا کم سے کم یہی صلہ تھا، انھی حضرات کی روایتیں ہیں جن سے ''تفسیر کبیر''، ''کشاف''، ''بیضاوی'' اور سینکڑوں ہزاروں کتابیں مالا مال ہیں۔مسلمانوں میں آج جو عجائب پرستی، زود اعتقادی اور غلط خیالی ایک خاصہ بن گئی ہے، انھی کی روایات اور منقولات کی بدولت ہے۔

(مقالات شبلی، مرتبہ سید سلیمان ندوی ۱/۲۶-۳۵)

۶۔ ان لوگوں کے یہ اقوال ''میزان الاعتدال'' ذہبی سے ماخوذ ہیں۔

رضوان اللہ

بعد از موت

(۶)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حشر

وہ مسافر کہ جس کے سفر کی ابتدا معدومیت سے ہوئی تھی، جو وجود کی منزلیں طے کرتا ہوا وادئ موت میں جا پہنچا تھا، جس نے برزخ میں کچھ دیر کے لیے قیام کیا اور جس نے اب پھر سے وجود پا لیا تھا؛ وہ مسافر اب اپنی آخری منزل کی طرف رواں دواں ہوگا۔ اس آخری منزل کو قرآن مجید کی زبان میں حشر کہتے ہیں۔

اس وقت یہ نہیں ہوگا کہ لوگ پہلی زندگی کی طرح وہاں جینے کا سامان یا کسی نئے امتحان کی تیاری کریں گے، بلکہ یہ سب ان کی جزا اور سزا کے لیے ہوگا، چنانچہ سب اپنی اپنی عدالت کے لیے اپنے پروردگار کی طرف چل پڑیں گے:

وَنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَاِذَا ھُمۡ مِّنَ الۡاَجۡدَاثِ اِلٰی رَبِّہِمۡ یَنۡسِلُوۡنَ. (یٰس ۳۶: ۵۱)

''اور صور پھونکا جائے گا تو یکایک وہ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف چل پڑیں گے۔''

عدالت

پروردگار عالم کے حضور لوگوں کی پیشی کس طرح ہوگی، وہاں کا ماحول کیسا ہوگا، سماعت کس طرح کی جائے گی اور فیصلہ سنانے کا طریقہ اور اس کی بنیادیں کیا ہوں گی، یہ سب باتیں عدالت کے متعلق ہیں، ذیل میں ہم انھیں ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں:

پیشی

خدائی عدالت دنیا میں بھی کسی نہ کسی درجے میں لگی رہتی ہے، مگر اس کے فیصلے بالعموم، قوموں کے بارے میں ہوا کرتے ہیں۔ جو قوم علم اور اخلاق کھو بیٹھتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے زوال کا حکم سنا دیتے ہیں اور اس طرح 'تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ' کے مصداق اقوام عالم کا عروج اور زوال ہوتا رہتا ہے۔ جہاں تک آخرت کی عدالت کا معاملہ ہے تو اس میں اقوام کے بجاے افراد کے فیصلے کیے جائیں گے۔ یعنی وہاں لوگ اپنی مذہبی حیثیت اور سیاسی قومیت کے لحاظ سے نہیں، بلکہ انفرادی اور ذاتی حیثیت میں حاضر ہوں گے۔ البتہ، یہ ضرور ہوگا کہ ان کے شریف یا شریر رہنماؤں کو بھی ان کے ساتھ ہی بلا لیا جائے گا تاکہ نیک رہنماؤں کے لیے اس میں شرف اور تکریم ہو اور بدکردار لیڈروں کے لیے ان کے پیرووں کی طرف سے لعنت اور پھٹکار ہو:

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا. ''اور قیامت کے روز ان میں سے ہر ایک، اس کے حضور تنہا حاضر ہوگا۔'' (مریم ۱۹: ۹۵)

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ. ''اس دن کو یاد رکھو جب ہم ہر گروہ کو اس کے رہنما سمیت بلائیں گے۔'' (بنی اسرائیل ۱۷: ۷۱)

کسی کی مجال نہ ہوگی کہ خدا کے ہرکارے کی آواز پر لبیک نہ کہے اور اس کے دربار میں جانے سے کترا جائے۔ جب آوازہ پڑے گا تو ہر کسی کو جائے ہی بنے گی۔ بلکہ اس کو نظر انداز کر دینا تو بہت دور کی بات ہے، وہاں تو سب لوگ، چاہے وہ خدا کو مانتے رہے یا اُس کے نافرمان اور انکاری رہے، اس طرح پیش ہوں گے کہ ان کی زبانوں پر اس کی حمد کے ترانے ہوں گے:

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَاعِوَجَ لَهٗ. ''اس دن سب پکارنے والے کے پیچھے چل پڑیں گے۔ اس سے ذرا ادھر ادھر نہ ہو سکیں گے۔'' (طٰہٰ ۲۰: ۱۰۸)

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ. ''یاد رکھو، جس دن خدا تمھیں پکارے گا تو اس کی حمد کرتے ہوئے تم اس کے حکم کی تعمیل کرو گے۔'' (بنی اسرائیل ۱۷: ۵۲)

انسان کا چہرہ آج بھی اس کے اندر کی ساری کہانی سنا ڈالتا ہے، آخرت میں بھی اسی طرح ہوگا۔ جو لوگ اپنے انجام کے بارے میں پُر امید اور جو لوگ خوف زدہ ہوں گے، سب محض دیکھنے سے پہچانے جائیں گے اور ان سب کے اعمال ان کے چہروں سے جھلکتے ہوں گے۔ نیک عمل اپنی حقیقت میں سراسر روشنی ہیں، چنانچہ ان کے حاملین کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

چہرے بھی روشن ہوں گے۔ برے عمل اپنی حقیقت میں خاک اور سیاہی ہیں، اس لیے یہی کچھ ان کے حاملین کے چہروں پر چھارہا ہوگا۔ مزید یہ کہ جن لوگوں نے دین میں عزیمتوں کی تاریخ رقم کی ہوگی، ان کے چہرے ہنستے ہوئے اور جنھوں نے خدا کی نافرمانی میں مثالیں قائم کی ہوں گی، ان کے چہرے اترے ہوئے اور مرجھائے ہوئے ہوں گے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ، ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ، وَّوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ، تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ. (عبس ۸۰: ۳۸-۴۲)

''کتنے چہرے اُس دن روشن ہوں گے، ہنستے ہوئے، ہشاش بشاش، اور کتنے چہرے ہوں گے کہ ان پر اس دن خاک اڑتی ہوگی، سیاہی چھارہی ہوگی۔ یہی منکر، یہی نافرمان ہوں گے۔''

مجرم پیشی کے لیے لائے جائیں گے تو ہر ایک کے ساتھ دو فرشتے ہوں گے۔ ایک پیچھے سے ہانک رہا ہوگا اور دوسرا گواہی دینے کے لیے اس کے ساتھ ہوگا۔ دنیا میں جن لوگوں کو خدا کے سامنے جھکنے کی دعوت دی جاتی اور وہ اس سے اِعراض کر جاتے، وہاں حکم ہوگا کہ وہ اس کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں، مگر وہ چاہنے کے باوجود ایسا نہ کر سکیں گے اور اس طرح بھری عدالت میں ان کی فضیحت کا سامان ہوگا:

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ. (ق ۵۰: ۲۱)

''ہر شخص حاضر ہو گیا ہے، اس طرح کہ اس کے ساتھ ایک ہانک کر لانے والا ہے اور ایک گواہی دینے والا۔''

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ، خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ، تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ، وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ. (القلم ۶۸: ۴۲-۴۳)

''یہ اُس دن کو یاد رکھیں، جب بڑی ہلچل پڑے گی اور یہ سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی، ان پر ذلت چھارہی ہوگی۔ (یہ ظالم، اِن کی کمر تختہ ہو گئی)، یہ اُس وقت بھی سجدے کے لیے بلائے جاتے تھے، جب یہ بھلے چنگے تھے۔''

ماحول اور مزاج

عدالت کا ماحول اور وہاں کا جو منظر ہوگا، اس کے بارے میں قرآن نے بیان کیا ہے کہ بہت سے فرشتے، بالخصوص جبریل جیسا خدا کا انتہائی مقرب فرشتہ بھی صف باندھے ہوئے کھڑا ہوگا۔ درآں حالیکہ جبریل علیہ السلام واحد شخصیت ہیں جن کے بارے میں قرآن نے 'ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ' کہہ کر خدا کے ہاں اُن کے بلند مرتبہ ہونے کا بیان کیا ہے۔ کسی کو اللہ عزوجل کے سامنے خود سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ بات وہی کر

پائے گا جسے اس کی طرف سے بات کرنے کا اذن ملے گا۔ مزید یہ کہ وہ شخص بات بھی وہی کر سکے گا جو ہر اعتبار سے صحیح ہوگی اور کسی بھی طرح عدل وانصاف سے ہٹی ہوئی نہ ہوگی:

لَا یَمۡلِکُوۡنَ مِنۡہُ خِطَابًا یَوۡمَ یَقُوۡمُ الرُّوۡحُ وَالۡمَلٰٓئِکَۃُ صَفًّا، لَّا یَتَکَلَّمُوۡنَ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَہُ الرَّحۡمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا. (النبا ۷۸: ۳۷-۳۸)

''کسی کو یارا نہیں کہ اُس کی طرف سے کوئی بات کرے۔ اُس دن جب فرشتے اور جبریل امین، (سب اس کے حضور میں) صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ وہی بولیں گے جنھیں رحمٰن اجازت دے اور وہ صحیح بات کہیں۔''

اس عدالت میں فرشتوں کا اپنا کوئی مقدمہ زیر سماعت نہ ہوگا، مگر اس کے باوجود ان کی یہ حالت ہوگی تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن کے مقدمات باقاعدہ زیر سماعت ہوں گے، ان لوگوں پر کیا بیت رہی ہوگی۔ چنانچہ قرآن نے ان کے بارے میں بیان کیا ہے کہ پروردگار کا اس قدر جلال ہوگا کہ سب آوازیں پست ہو جائیں گی۔ کسی کو جرأت نہ ہوگی کہ اونچی آواز میں بات کر سکے۔ اس کے سامنے کوئی اپنے عمل کی بنیاد پر فخر کرے یا پھر اس کو ناز وادا دکھائے، یہ تو ممکن ہی نہیں۔ اس کے حضور تو اونچے اونچے شملے سرنگوں ہو جائیں گے اور بڑی بڑی شخصیات نہایت مودبانہ انداز میں اور سر جھکائے ہوئے کھڑی ہوں گی:

وَخَشَعَتِ الۡاَصۡوَاتُ لِلرَّحۡمٰنِ فَلَا تَسۡمَعُ اِلَّا ہَمۡسًا. (طٰہٰ ۲۰: ۱۰۸)

''اور تمام آوازیں خدائے رحمان کے آگے پست ہو جائیں گی، سو تم ایک دبی دبی سرگوشی کے سوا کچھ نہ سنو گے۔''

وَعَنَتِ الۡوُجُوۡہُ لِلۡحَیِّ الۡقَیُّوۡمِ. (طٰہٰ ۲۰: ۱۱۱)

''سب کے چہرے اس حیّ وقیّوم کے سامنے جھکے ہوں گے۔''

وہاں ہر اس شخص کی دادرسی کی جائے گی جس کی دنیا میں حق تلفی ہوئی یا اس پر کوئی ظلم اور تعدی کی گئی۔ اسی طرح ہر اس شخص کو داد مل کر رہے گی جس نے اپنے رب کا فرماں بردار بن کر زندگی گزاری اور اس کے بندوں کے حقوق کی ہر دم نگہداشت کی۔ وہ عدالت بدعنوان، ظالم اور اندھی بھی نہیں ہوگی۔ اُس میں یہاں کی عدالتوں کی طرح ایسا نہیں ہوگا کہ جرم کوئی کرے اور اس کے بدلے میں دھر کوئی اور لیا جائے، کسی بڑے کے کہے سنے مجرمین بری ہو جائیں یا رشوت اور معاوضہ دے کر خلاصی پا جائیں یا پھر انھیں عدالت کے مقابلے میں کہیں اور سے مدد ہی مل جائے:

وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّلَا یُقۡبَلُ مِنۡہَا شَفَاعَۃٌ وَّلَا یُؤۡخَذُ مِنۡہَا

''اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عَدۡلٌ وَّلَا ھُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ. (البقرہ۲:۴۸)

گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ لوگوں کو کوئی مدد ہی ملے گی۔''

اس عدالت میں ان مظلوموں کی خصوصی طور پر شنوائی ہوگی جن پر ظلم کرنے والے کوئی اور نہیں، ان کے اپنے تھے۔ وہ اپنے کہ جنھیں ان کا کفیل بنایا گیا تھا، جنھیں ان کی حفاظت کی ذمہ داری دی گئی تھی، مگر یہ خود ان پر ظلم کرنے والے بن گئے۔ چنانچہ اس قدر لاچار اور بے بس مظلوموں کا مدعی عالم کا پروردگار خود بنے گا۔ اس طرح کی چارہ سازی کی ایک مثال قرآن مجید میں ان لفظوں میں بیان ہوئی ہے:

وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَۃُ سُئِلَتۡ، بِاَیِّ ذَنۡبٍ قُتِلَتۡ. (التکویر۸۱:۸-۹)

''اور جب اُس سے، جو زندہ گاڑ دی گئی، پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی؟''

سماعت

سماعت شروع ہونے سے پہلے فرشتے اُن حضرات کا حوصلہ بڑھائیں گے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانا اور ہر قسم کے حالات میں اس کے عہد پر قائم رہے۔ وہ انھیں تسلی دیں گے کہ آپ لوگوں کی سب آزمایشیں اب ختم ہو گئیں؛ پریشانیوں کے زمانے لد گئے؛ مطمئن ہو رہیے، صلے کا دور بس آیا ہی چاہتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡھِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ. (حٰم السجدہ۴۱:۳۰)

''جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر ثابت قدم رہے، ان پر یقیناً فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے): اب نہ کوئی اندیشہ کرو اور نہ ہی کوئی غم اور اس جنت کی خوش خبری قبول کرو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔''

لوگوں کو اس دن تین گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک اصحاب یمین اور دوسرے اصحاب شمال اور تیسرے سابقون:

وَکُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَۃً، فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ، مَآ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ! وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَۃِ، مَآ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡئَمَۃِ! وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ. (الواقعہ۵۶:۷-۱۱)

''(اس دن) تم تین گروہوں میں تقسیم ہو جاؤ گے۔ ایک گروہ دائیں والوں کا ہوگا، سو کیا کہنے ہیں دائیں والوں کے! دوسرا بائیں والوں کا، تو کیا بدبختی ہے بائیں والوں کی! اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں۔ وہی مقرب ہوں گے۔''

عدالت میں انسان کے اچھے اور برے اعمال کے دفتر پیش کر دیے جائیں گے۔ جن کو کامیاب قرار پانا ہے، ان کے دفتر ان کے دائیں ہاتھ میں اور جنھیں مجرم قرار پانا ہے، ان کے دفتر ان کے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ مجرمین کے ہاتھ ان کی پیٹھ پیچھے باندھ دیے گئے ہوں گے، اس لیے ان کے دفتر ان کو پیچھے ہی سے تھمائے جائیں گے۔ ان کا دائیں ہاتھ میں دیا جانا، اصل میں نجات اور کامیابی کی اور بائیں ہاتھ میں دیا جانا، خسران اور ناکامی کی علامت ہوگا۔[1]

دائیں ہاتھ والوں کی خوشی اس موقع پر دیدنی ہوگی۔ وہ دوسروں کو آگے بڑھ بڑھ کر اپنا اعمال نامہ دکھائیں گے۔ اس کے مقابلے میں بائیں ہاتھ والے حسرت کا اظہار اور اپنے متوقع انجام پر واویلا کر رہے ہوں گے۔ اول الذکر کے ساتھ نرمی کا خصوصی معاملہ کیا جائے گا اور ان کی چھوٹی موٹی کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیا جائے گا:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُ وْا کِتٰبِیَهْ، اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ، فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ .... وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ، وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ، یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ.

(الحاقہ ۶۹: ۱۹-۲۱، ۲۵-۲۷)

''پھر جس کا نامۂ اعمال اُس کے دہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: لو پڑھو، میرا نامہ اعمال، مجھے یہ خیال رہا کہ (ایک دن) مجھے اپنے اس حساب سے دوچار ہونا ہے۔ چنانچہ وہ ایک دل پسند عیش میں ہوگا ...اور جس کا نامۂ اعمال اُس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: اے کاش، میرا یہ نامۂ اعمال مجھے نہ ملتا اور میرا حساب کیا ہے، میں اس سے بے خبر ہی رہتا۔ اے کاش، وہی (موت) فیصلہ کن ہو جاتی۔''

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا وَّیَنْقَلِبُ اِلٰٓی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا، وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا وَّیَصْلٰی سَعِیْرًا.

''پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے دہنے ہاتھ میں دیا جائے گا، اس کا حساب نہایت ہلکا ہوگا اور وہ خوش خوش اپنے لوگوں کی طرف پلٹ آئے گا۔ اور جس کا نامۂ اعمال اس کے پیچھے ہی سے (اس کے بندھے ہوئے ہاتھوں

---

[1] فیصلے سے پہلے ہی اصحاب یمین اور اصحاب شمال میں تقسیم کر دیا جانا اس لیے ممکن ہوگا کہ وہ عدالت کسی ظاہر بین قاضی کی نہیں، خدائے علاّم الغیوب کی ہوگی جو ہر کسی کے عمل اور ان کے نتائج سے واقف ہوگا۔ بلکہ جن لوگوں کا معاملہ نیکی اور بدی میں بالکل واضح ہوتا ہے، انھیں تو موت کے وقت ہی جنت اور دوزخ کی بشارت دے دی جاتی ہے اور مجرموں کی تو ڈھول ڈھپے سے طبیعت بھی درست کی جاتی ہے (النحل ۱۶: ۲۸، ۲۹، ۳۲۔ الانفال ۸: ۵۰)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

میں) پکڑا دیا جائے گا، وہ جلد موت کی دہائی دے گا اور دوزخ میں جا پڑے گا۔'' (الانشقاق ۸۴: ۷-۱۲)

عالم حشر میں جب زمین اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہو جائے گی تو لاعلمی اور جہالت کے تمام بادل چھٹ جائیں گے اور وہ سارے حقایق واضح طور پر نظر آنے لگیں گے جو آج سورج کی روشنی میں بہت سے لوگوں کو دکھائی نہیں دیتے۔ دین کے اندر جو کچھ اختلافات پیدا کر دیے گئے ہیں، ان کی حقیقت بھی اس دن بالکل کھل کر لوگوں کے سامنے آجائے گی:

وَاَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا. (الزمر ۳۹: ۶۹)

''اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہو جائے گی۔''

لَقَدۡ كُنۡتَ فِیۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآئَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ . (ق ۵۰: ۲۲)

''تم اس دن سے غفلت میں رہے تو (آج) وہ پردہ ہم نے ہٹا دیا جو تمھارے آگے پڑا ہوا تھا اور آج تو تمھاری نگاہ بہت تیز ہے۔''

اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ. (المائدہ ۵: ۴۸)

''تم سب کو (ایک دن) اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے، پھر وہ تمھیں بتا دے گا سب چیزیں جن میں تم اختلاف کرتے رہے ہو۔''

عدالت کی کارروائی کا باقاعدہ آغاز ہوگا۔ لوگوں سے ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ نبیوں کو اور جن قوموں کی طرف وہ بھیجے گئے، ان سب کو بلا کر پوچھا جائے گا۔ یہ سوال اس لیے ہوگا کہ پیغمبروں کی اپنے فرائض سے سبک دوشی اور ان کی سرخروئی ثابت ہو اور دوسری طرف مکذبین کے لیے قطع عذر بھی ہو جائے۔ یعنی یہ بات آخری درجے میں ثابت ہو جائے کہ جن لوگوں نے اپنی راہ کھوٹی کی، انھوں نے اندھیرے میں نہیں، بلکہ پورے دن کی روشنی میں ٹھوکر کھائی، چنانچہ وہ اس بات کے سزاوار ہیں کہ ان سے مواخذہ کیا جائے:

فَلَنَسۡئَلَنَّ الَّذِيۡنَ اُرۡسِلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَنَسۡئَلَنَّ الۡمُرۡسَلِيۡنَ. (الاعراف ۷: ۶)

''تو ہم ان لوگوں سے پرسش کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور خود رسولوں سے بھی ہم استفسار کریں گے۔''

سماعت کے دوران عملوں کے دفتر کھول دیے جائیں گے۔ لوگوں سے شہادتیں لی جائیں گی۔ نبی اپنے مخاطبین کے بارے میں اور دوسرے گواہ اپنے متعلقین کے بارے میں شہادتیں دیں گے۔ مدعیٰ علیہ سے عذر پیش کرنے اور

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

معذرتیں بیان کرنے کا حق مکمل طور پر چھین لیا جائے گا۔ان کے مونہوں پر مہر کر کے ان کے دیگر اعضا سے خود ان کے بارے میں گواہی دلوادی جائے گی، حتیٰ کہ زمین بھی ان کے سب افعال کی خبر سنا دے گی:

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ. (الزمر ۳۹:۶۹)

''اور عمل کا دفتر سامنے رکھ دیا جائے گا اور سب پیغمبر بلائے جائیں گے اور گواہ بھی۔''

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ. (یٰسٓ ۳۶:۶۵)

''آج ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہمیں بتائیں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں۔''

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰی لَهَا. (الزلزال ۹۹: ۴-۵)

''اس دن، تیرے پروردگار کے ایما سے، وہ (زمین) اپنی سرگذشت سناڈالے گی۔''

اتمام حجت کے لیے ان صالحین کے بیان بھی دلوائے جائیں گے جن کو لوگوں نے خدائی کا منصب دے رکھا۔ سیدنا مسیح علیہ السلام سے ان کی اور ان کی ماں کی الوہیت کے بارے میں پوچھا جائے گا تو وہ عرض کریں گے کہ انھوں نے ایسا کرنے کا کبھی بھی حکم نہیں دیا۔ان کا یہ بیان اس بات کا ثبوت ہوگا کہ گمراہ ہونے والوں کے پاس اپنی گمراہی کے لیے کوئی دلیل نہیں تھی، بلکہ یہ ان کا خودساختہ عقیدہ اور سیدنا مسیح پر ایک صریح بہتان تھا۔اسی طرح معبود قرار دیے جانے والے دیگر صالحین سے پوچھا جائے گا کہ ان کے پیرووں کی گمراہی میں کیا ان کا بھی کوئی حصہ تھا؟ وہ سب بھی اپنی صفائی پیش کر دیں گے اور اُنھی کو خطاوار قرار دیں گے جو بڑی عقیدت اور محبت سے دنیا میں ان کو پوجتے رہے ہوں گے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ،قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ، اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ، تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ، اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. (المائدہ ۵:۱۱۶)

''اور یاد کرو، جب اللہ پوچھے گا: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ، کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا تم مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو۔ وہ عرض کرے گا: سبحان اللہ، یہ کس طرح روا تھا کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں ہے۔ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو آپ کے علم میں ہوتی، (اس لیے کہ) آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے دل میں ہے اور آپ کے دل کی باتیں میں نہیں جانتا۔ تمام چھپی ہوئی باتوں کے جاننے والے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تو آپ ہی ہیں۔‘‘

وَیَوۡمَ یَحۡشُرُھُمۡ وَمَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِیۡ ھٰٓؤُلَآءِ اَمۡ ھُمۡ ضَلُّوا السَّبِیۡلَ. قَالُوۡا سُبۡحٰنَکَ مَا کَانَ یَنۡبَغِیۡ لَنَآ اَنۡ نَّتَّخِذَ مِنۡ دُوۡنِکَ مِنۡ اَوۡلِیَآءَ وَ لٰکِنۡ مَّتَّعۡتَھُمۡ وَ اٰبَآءَ ھُمۡ حَتّٰی نَسُوا الذِّکۡرَ وَکَانُوۡا قَوۡمًۢا بُوۡرًا. (الفرقان ۲۵: ۱۷-۱۸)

’’یہ اس دن کا دھیان کریں، جس دن وہ انھیں اکٹھا کرے گا اور ان کو بھی جنھیں یہ خدا کے سوا پوجتے ہیں۔ پھر پوچھے گا: کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی راہ راست سے بھٹک گئے تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ پاک ہے تیری ذات، ہمیں یہ حق کہاں تھا کہ ہم تیرے سوا دوسروں کو کارساز بنائیں! مگر (ہوا یہ کہ) تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامان زندگی دیا، یہاں تک کہ وہ تیری یاددہانی بھلا بیٹھے اور ایسے لوگ بن گئے جو برباد ہو کر رہے۔‘‘

عملوں کا سارا ریکارڈ، گواہوں کی شہادتیں اور خدا کے مقابل میں معبود اور مطاع قرار دیے جانے والے حضرات کی لاتعلقی کے بعد گویا ہر شے واضح ہو جائے گی۔ ہر ایک کا کیا دھرا اس کے سامنے ہو گا۔ جن کے عمل جس حد تک صالح رہے اور جنھوں نے جب جب برائی کی، یہ اپنی آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ موجود پائیں گے:

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ، وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ. (الزلزال ۹۹: ۷-۸)

’’پھر جس نے ذرہ برابر بھلائی کی ہے، وہ بھی اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہے، وہ بھی اُسے دیکھ لے گا۔‘‘

[باقی]

’’آدمی اعتکاف کے لیے بیٹھا ہو تو روزے کی راتوں میں کھانے پینے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن بیویوں کے پاس جانا اُس کے لیے جائز نہیں رہتا۔ اعتکاف کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اِسے ممنوع قرار دیا ہے۔‘‘ (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۶۷)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

○

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

نغمہ زن ہوتی ہے نے پھر نیستاں کی یاد میں
پھر کوئی نالہ قفس میں آشیاں کی یاد میں
راکھ کر ڈالا تھا جس نے آرزوؤں کا جہاں
عمر گزری ہے اُسی آتش بہ جاں کی یاد میں
رنگ ، خوشبو ، موسم گل ؛ پھر مہ و سال خزاں
بلبلیں ماتم کناں ہیں گلستاں کی یاد میں
بادہ کش حاضر ہیں ، پر وہ گرمی محفل کہاں
مے کدہ ویران ہے پیر مغاں کی یاد میں
پور آدم ، جس نے بخشی ہے تجھے یہ زندگی
چند لمحے اُس خداے مہرباں کی یاد میں
ہم نہیں ہوں گے تو یہ گوشہ تمھارے شہر میں
پھر بسا لے گا کوئی آشفتگاں کی یاد میں

وہ سراپا آشتی ، مہر و محبت کا بروز
اِس بڑھاپے میں بھی دل روتا ہے ماں کی یاد میں

''...رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔ چنانچہ اِس مہینے میں ہر شخص کے لیے موقع ہوتا ہے کہ وہ اگر چاہے تو بغیر کسی خارجی رکاوٹ کے اپنے لیے خیر و فلاح کے حصول کی جدوجہد کر سکے۔'' (میزان، جاوید احمد غامدی ۳۵۴)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

''...آدمی بعض اوقات روزہ اللہ کے لیے نہیں، بلکہ اپنے گھر والوں اور ملنے جلنے والوں کی ملامت سے بچنے کے لیے رکھتا ہے اور کبھی لوگوں میں اپنی دین داری کا بھرم قائم رکھنے کے لیے یہ مشقت جھیلتا ہے۔ یہ چیز بھی روزے کو روزہ نہیں رہنے دیتی۔''

(میزان، جاوید احمد غامدی ۳۶۲)